كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (القرآن)

تاکہ یہ مال تمہارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے (الحشر)



اسلام میں
دولت کے مصارف



مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ

مکتبۃ السلام سٹریٹ ۲۰ وسن پورہ لاہور

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (القرآن)

تاکہ یہ مال تمہارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے (الحشر)

اسلام میں
دولت کے مصارف

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

مکتبۃ السلام سٹریٹ ۲۰ وسن پورہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب	اسلام میں دولت کے مصارف
زیر سرپرستی	ڈاکٹر حبیب الرحمٰن کیلانی
تعداد	2200 ۔ نومبر 2001ء
کمپوزنگ	بسم اللہ کمپوزنگ سنٹر۔ منصورہ
ناشر	ڈاکٹر حافظ شفیق الرحمٰن کیلانی / انجینئر حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی
اہتمام	پروفیسر نجیب الرحمٰن کیلانی فون: 7844157
مطبع	اُحد پرنٹنگ پریس۔ لاہور
قیمت	[redacted] روپے

ڈسٹری بیوٹر

دارُالسّلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی اِدارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور

لندن • ہیوسٹن • نیو یارک

① 50 لوئر مال نزد ایم۔ اے۔ او کالج لاہور

فون: 7232400 - 7240024 092 42 فیکس: 7354072

② رحمان مارکیٹ 'غزنی سٹریٹ' اُردو بازار' لاہور فون: 7120054 092 42

فہرست

عرض ناشر

محترم والد صاحب کی تصنیفات میں سے ''اسلام میں دولت فاضلہ کا مقام'' بھی ایک منفرد تصنیف ہے۔ یہ مختصر سی کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے کتنی ہی اہم سہی مگر شاید اس کی طباعت و کتابت وغیرہ زیادہ بہتر نہ ہونے کی وجہ سے اس کو وہ پذیرائی نہ ملی جو کہ والد صاحب کی دوسری کتابوں کو حاصل ہے۔ مگر یہ بات مسلم ہے کہ اس کتاب کی ضرورت واہمیت آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ ایک سروے کے مطابق پاکستان میں **پیپلز پارٹی** کے دور میں بائیس نامور خاندان تھے جو کہ غیر معمولی طور پر مالدار تھے۔ پھر ضیاء الحق مرحوم کے دور میں ان کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔ جبکہ آج کل تو ہزاروں میں ہے

محترم پروفیسر محمد یحییٰ صاحب بن سلطان محمود صاحبؒ جلال پوری نے میری درخواست پر اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر اس کتاب کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد تقریظ لکھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

کتاب کے ٹائٹل کو موضوع کے لحاظ سے زیادہ آسان فہم بنانے کے لیے علماء کرام سے مشورہ کے بعد اس کا نام ''اسلام میں دولت کے مصارف'' تجویز کیا گیا۔ امید ہے قارئین کرام بھی پسند فرمائیں گے

اس کتاب کو جدید انداز میں کمپوز کروایا گیا ہے۔ امکانی حد تک اس کی اغلاط کی تصحیح بھی کر دی گئی ہے۔ اور اس کے سرورق کو بھی دیدہ زیب بنا دیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے۔ اب لوگ اس سے کما حقہ استفادہ کر سکیں گے۔ اس کتاب کے آخر میں محترم والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مضمون ''اسلامی نظام معیشت میں سادگی اور کفایت شعاری کا مقام'' بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ کہ دولت کے ہوتے ہوئے بھی کفایت شعاری کا مظاہرہ کرنا ''الفقر فخری'' کے مطابق عین سنت نبوی ﷺ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو ہم سب کے لیے نافع بنائے۔ اور والد صاحب کے لیے صدقہ جاریہ اور رفع درجات کا سبب بنائے۔ اور والدین محترمین کی قبروں کو اللہ تعالیٰ روضۃ من ریاض الجنۃ بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

نجیب الرحمٰن کیلانی۔ جامع مسجد الایمان شاہ فرید آباد ملتان روڈ لاہور

تقریظ

دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے انسانیت کو جن مشکلات سے دوچار کیا ہے' اتنا شاید کسی اور چیز نے نہیں کیا۔طاقت ور طبقوں کی نہ ختم ہونے والی ہوس کی وجہ سے بھوکے انسانوں کا جو جم غفیر وجود میں آیا اس کو بھی' ردعمل کے طور پر' چھیننے اور جھپٹنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نظر نہ آیا۔ پرولتاری انقلاب نے چھیننے کا مرحلہ مکمل کرنے کے بعد جب نیا نظام تعمیر کرنا شروع کیا تو اس کی بنیاد رکھنے کے لیے جبر' انسانی ارادے اور اختیار پر شدید قدغن لگائے بغیر کچھ بنانا ممکن نظر نہ آیا تو غریب کو مال وزر کے بعد اختیار اور فکر کی آزادی کی عظیم تر دولت سے بھی محروم ہونا پڑا۔ جب پنڈولم کی حرکت واپس دوسری انتہا کے لیے شروع ہوگئی تو پرولتاری انقلاب کی جگہ معاشی استحصال' لوٹ مار' بیروزگاری اور افلاس کی فرمانروائی شروع ہوگئی۔ ایک سپر پاور کا انہدام دنیا میں طاقت کے شدید عدم توازن پر منتج ہوا۔اس کے نتیجے میں آج استحصالیوں نے گلوبلائزیشن کے ذریعے ساری دنیا کو معاشی غلامی میں جکڑنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور انسانیت کا مستقبل تاریک تر نظر آتا ہے۔غریب افراد ہی نہیں' غریب اقوام تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی ہیں۔

کیا ان دونوں انتہاؤں کے درمیان تقسیم دولت کا کوئی ایسا طریقہ موجود ہے جو اعتدال اور توازن پر مبنی ہو؟ یقیناً یہ ایسا نظام ہوسکتا ہے جس میں دولت کی ملکیت نہیں بلکہ دولت کی ہوس کو ختم کیا گیا ہو۔ دوسری طرف چھیننے اور لوٹنے کی بجائے عطا کرنے اور ایثار کرنے کا طریقہ اپنایا گیا ہو۔

اسلام کا معاشی نظام انہیں دو اصولوں پر قائم ہے ۔مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس معتدل معاشی نظام کے بنیادی اصولوں پر خوبصورت بحث کی

ہے۔اس بحث پر فقہی اسلوب کی چھاپ نمایاں ہے جس سے کتاب وقیع تر ہوگئی ہے۔

اسلام تمام ایسے طریقے ممنوع قرار دیتا ہے جن کے ذریعے دولت اکثریت کے ہاتھوں سے نکل کر اقلیت کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔لیکن دوسری طرف ضرورت کے مطابق دولت حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہے۔اس کے باوجود اگر ضرورت سے زائد سرمایہ جمع ہو جائے تو اس کو دوبارہ ضرورت مندوں تک پہنچانے کا لازمی نظام بھی وضع کیا گیا ہے۔ (اَلْعَفْوَ) یعنی زائد از ضرورت کیا ہے اور اسے دوبارہ ضرورت مندوں تک کیسے پہنچایا جائے گا۔اس پر حالیہ دور میں سخت اختلاف موجود رہا ہے۔اپنے اپنے مطلب کے لیے اکثر لوگوں نے غلط استدلال سے کام لینے میں حرج نہیں سمجھا۔مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی بحث سے حقیقت روشن ہو کر سامنے آ گئی ہے۔پیچیدہ معاملات واضح ہو گئے ہیں اور وہ احکام جو لوگوں کی کج بحثی کی وجہ سے عام لوگوں کو متضاد نظر آنے لگے تھے ان کے اندر مکمل ہم آہنگی اور داخلی موافقت عیاں ہو گئی ہے:۔

کتاب کے نئے ایڈیشن میں کیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مقالہ کا اضافہ کیا گیا ہے جو 1974 میں ترجمان الحدیث میں شائع ہوا تھا۔اس میں سادگی اور کفایت شعاری کے ذریعے انسانی ضرورتوں کو جائز حدود میں رکھنے کی ضرورت اجاگر کی گئی ہے۔جو وسیع تر انسانی فلاح کی بنیادی شرط ہے۔

کیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پیچیدہ معاشی مسئلے کی آسان ترین تفہیم کا قابل قدر نمونہ ہے۔اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور ان کے لیے اس کو نجات کا سبب بنائے۔(آمین)

پروفیسر محمد یحیٰ
ایڈن کاٹیجز۔لاہور کینٹ

پیشِ لفظ

اسلام کے معاشی نظام کے اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اسلام میں فاضلہ دولت کا صحیح مقام کیا ہے؟ آج کے دور میں یہ مسئلہ اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا دو دھڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک طرف روس ہے جو اشتراکیت کا علمبردار ہے۔ یہ نظریہ فاضلہ دولت تو در کنار کسی شخص کے حق ملکیت ہی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں خواہ اس ملکیت کا تعلق نقدی سے ہو یا مکان سے۔ اور زمین کی ملکیت تو بہت دور کی بات ہے۔ دوسری طرف امریکہ ہے جو سرمایہ داری و سرمایہ پرستی کا علمبردار ہے اور انفرادی ملکیت اور حصولِ دولت کا اس قدر محافظ ہے کہ اس کے نزدیک حصولِ دولت کا ہر وہ طریقہ جائز اور درست ہے جو قانونی گرفت میں نہ آ سکتا ہو خواہ وہ طریقہ حصولِ دولت انسانی اخلاقیات کے لیے کتنا ہی مہلک کیوں نہ ہو۔ امریکہ نواز حکومتیں ایسے سرمایہ داروں اور ایسی سرمایہ داری دونوں کو پورا تحفظ عطا کرتی ہیں۔ انہیں اگر کچھ غرض ہے تو صرف اس بات سے کہ عوام اس کے عائد کردہ ٹیکس ٹھیک طور سے ادا کیا کریں، باقی سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔

دنیا کے اکثر ممالک انہی دو دھڑوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اسلام ان دونوں متضاد اور انتہا پسندانہ نظریات کا دشمن ہے اور ان دونوں کے درمیان عدل و اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے تاہم آج کا مسلمان ان دونوں نظریات میں کسی ایک سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جو لوگ اشتراکیت کے حامی ہیں انہوں نے جب دیکھا کہ قرآن انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیتا ہے حتیٰ کہ ضرورت سے زیادہ ہر چیز کو انفاق کے زمرہ میں شمار کرتا ہے تو انہوں نے نعرہ لگایا کہ اشتراکیت ہی عین اسلام ہے۔ مزید برآں اسلام سود کو

قطعی حرام قرار دیتا ہے جس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ سود کے معاملہ میں ایک فریق کا فائدہ اور دوسرے کا نقصان یقینی ہوتا ہے تو انہوں نے ہر اس معاملہ کو جس میں ایک کسی فریق کو فائدہ پہنچنے کا زیادہ امکان ہو سود پر ہی منطبق کر کے اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیا جیسے زمین کی بٹائی یا ٹھیکہ اور مکانوں یا دکانوں کے کرایہ جات وغیرہ اور حد یہ ہے کہ کچھ نیک نیت مسلمان بھی کم از کم مزارعت کی حد تک' اس کے عدمِ جواز کا فتویٰ دینے لگے۔

یہ درست ہے کہ اسلام میں فاضلہ دولت کو کچھ مستحسن چیز نہیں سمجھا گیا تاہم خود قرآن نے ہی اس فاضلہ دولت کو ''خیر'' کے لفظ سے بھی یاد کیا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ فاضلہ دولت فی نفسہٖ مذموم چیز نہیں بلکہ اس کا اچھا اور برا ہونا اس کے اچھے یا برے استعمال یا عدم استعمال یعنی دولت پرستی اور بخل پر منحصر ہے۔ ہمیں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ فاضلہ دولت کے مفاسد اس کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ جبھی تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے متعدد بار فرمادیا ہے کہ ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ لیکن سرمایہ داری کی فضاؤں میں پلا ہوا آج کا مسلمان اس بات کی طرف مطلق توجہ نہیں دیتا۔ زیادہ سے زیادہ اسے بس ایک ہی سبق یاد ہے اور وہ یہ کہ سال کے بعد زکوٰۃ ادا کرو۔ اس میں بھی حیلوں بہانوں سے جس قدر کمی ہوسکتی ہے یا گنجائش نکل سکتی ہے اس سے فائدہ اٹھالو' باقی مال پاک اور طیب ہے۔ پھر سارا سال انفاق فی سبیل اللہ کی چنداں ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

اس سبق نے اسے دولت سے محبت کرنے اور اسے جمع کرنے کے کئی طریقے سکھا دیئے ہیں جس سے اس میں سرمایہ داری اور سرمایہ پرستی کے تمام مفاسد اور اخلاقِ رذیلہ پیدا ہوگئے ہیں۔

جاگیرداری چونکہ افزائش دولت میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ لہٰذا اسلام زمین کے کرایہ کو بھی مستحسن نہیں سمجھتا بلکہ بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان اپنی زمین

یا تو خود کاشت کرے ورنہ اپنے کسی دوسرے بھائی کو کچھ معاوضہ لیے بغیر مفت کاشت کرنے کو دے دے۔ اور جوازِ مزارعت کا باب یوں کھلتا ہے کہ کاشتکاری تو صرف تنومند انسان ہی کرسکتا ہے جبکہ زمین کے مالک ازروئے قانونِ وراثت بچے بھی ہوسکتے ہیں' بوڑھے بھی' عورتیں بھی اور معذور وناتواں بھی۔ اور یہ لوگ ضرورت مند بھی ہوسکتے ہیں۔ انہیں اس بات کی شدید ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنی زمین کرایہ پر یا بٹائی پر دے کر اپنا پیٹ پال سکیں۔ لہٰذا اگر عدم جواز مزارعت کو قانون کا درجہ دیا جائے تو یہ قانون کسی دور میں بھی زمانہ کے ساتھ چل نہیں سکتا اور یہ بات اسلام کے اصولوں کے منافی ہے۔

اس مختصر سے کتابچہ میں فریقین کے دلائل کا کتاب وسنت کی روشنی میں موازنہ کرکے یہ واضح کیا گیا ہے کہ فاضلہ دولت اگر جائز ہے تو کن شرائط کے تحت جائز ہے اور مزارعت کن حالات میں جائز ہوتی ہے اور کن میں ناجائز؟ یعنی مزارعت کے ناجائز اور ناجائز ہونے کی کیا کیا مختلف صورتیں ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ دولت مند یا زمیندار مسلمان یہ معلوم کرسکے گا کہ وہ اسلامی نقطہ نظر سے کس مقام پر کھڑا ہے؟

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دولت کی محبت اور اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جائز ذرائع سے دولت سے نوازے تو پھر ہم اسے خیر ہی سمجھیں اور اس کا شکریہ بھی ادا کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمیں اس دولت کو خیر ہی کے کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے تاکہ یہ دولت ہمارے لیے وبالِ جان بننے کی بجائے بلندی درجات کا باعث ہو۔ آمین ثم آمین۔

عبدالرحمان کیلانی۔ دارالسلام وسن پورہ لاہور۔ ۱۹۸۸۔۸۔۱۵

یہ مقالہ سہ ماہی مجلّہ منہاج کی اشاعت جولائی ۱۹۸۸ء میں ایک ہی قسط میں چھپا تھا۔ اس کی افادیت عام کے پیش نظر اس میں تھوڑا بہت اضافہ کرکے اب کتابچہ کی صورت میں پیشِ خدمت ہے۔

باب نمبر:۱

شرعی احکام کی حِکمت

شریعتِ اسلامیہ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے احکام مسلمانوں کی اکثریت کے لیے اور نارمل حالات میں قابلِ عمل ہوتے ہیں۔ جب حالات بدل جائیں تو احکام میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی کر دی جاتی ہے۔ پھر یہ احکام چونکہ ایک عام انسان کی استعداد یا قوتِ کار کو ملحوظ رکھ کر دیے جاتے ہیں لہٰذا عام استعداد سے کم استعداد رکھنے والوں کے لیے رعایت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور عام استعداد سے زیادہ استعداد رکھنے والوں کے لیے وسیع میدان عمل کو سامنے لا کر انہیں اس کی زیادہ سے زیادہ بجا آوری کی ترغیب دی جاتی ہے۔ پھر ان احکام کی بجا آوری کے سلسلہ میں مزید دو باتوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

۱۔ ان تمام مراعات کے باوجود اگر کوئی مسلمان ان احکام کی ٹھیک طور پر بجا آوری میں کمی کرتا یا اس سے انکار کرتا ہے تو اس کا یہ عمل یا تو اسے دائرہ اسلام سے ہی خارج کر دے گا یا وہ کم از کم گناہ کبیرہ کا مرتکب ضرور ٹھہرے گا۔

۲۔ ترغیبات کی بھی ایک حد ہے جو شریعتِ اسلامیہ نے مقرر کر دی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس حد سے بھی بڑھنے کی کوشش کرے گا تو اس کا یہ عمل اس کی خلوص نیت کے باوجود سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود قرار پائے گا اور وہ شخص اجر

کے بجائے الٹا سزا کا مستوجب ٹھہرے گا۔

نماز کی مثال:

اب میں ان تمام باتوں کو ایک دو مثالوں سے سمجھاؤں گا۔ شریعتِ اسلامیہ نے ہر عاقل بالغ مسلمان پر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے اور ہر نماز کی فرض رکعات کو متعین کر دیا ہے۔ یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ نماز مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ ادا کی جائے گی۔ اس سے بیشتر وضو (طہارت) بھی لازمی ہے۔ اب اس حکم میں حالات اور کم استعداد والوں کے لیے مراعات اور زیادہ استعداد والوں کے لیے ترغیبات ملاحظہ فرمائیے۔

حالات کے لحاظ سے مراعات:

اس عام حکم میں حالات کے لحاظ سے شریعت نے جو مراعات ملحوظ رکھی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ اگر بروقت پانی دستیاب نہ ہو تو وہ تیمّم کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایسا بیمار جسے وضو کرنے سے تکلیف یا نقصان کا خطرہ ہو وہ بھی تیمّم کر سکتا ہے۔

۲۔ سفر یا خوف کی حالت میں نماز قصر کر سکتا ہے اور دو نمازیں اکٹھی بھی ادا کر سکتا ہے۔

۳۔ سفر کی حالت میں سواری پر ہی نماز ادا کر سکتا ہے۔

۴۔ قبلہ کی تعیین یا نماز کے اوقات کی تعیین میں دقت ہو تو اندازہ سے کام لے سکتا ہے۔

۵۔ اگر انسان بارش یا کسی اور معقول وجہ سے مسجد نہیں جا سکتا تو گھر پر بھی نماز ادا کر سکتا ہے
۶۔ اگر کسی مجبوری سے نماز کا وقت نکل جائے تو اس کی قضا دے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

کم استعداد والوں کے لیے مراعات:

۱۔ نابالغ اور مجنون سے نماز کی فرضیت کو ساقط کر دیا گیا ہے۔
۲۔ بیمار بیٹھ کر نماز ادا کر سکتا ہے۔ زیادہ بیمار ہے تو لیٹ کر بھی ادا کر سکتا ہے۔ اتنی بھی ہمت نہ رہی تو لیٹے لیٹے ہی اشارہ سے پڑھ سکتا ہے۔
۳۔ حیض اور نفاس کے دوران عورت سے نماز کو ساقط کر دیا گیا ہے۔
۴۔ ایسا بیمار یا انتہائی بوڑھا جو مسجد تک جانے کی ہمت نہیں رکھتا' وہ مستقل طور پر اپنے گھر میں نماز ادا کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ

اب دیکھیے اگر کوئی مسلمان ان تمام مراعات کے باوجود عمدًا نماز ادا نہیں کرتا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر نماز کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گا۔

زیادہ استعداد والوں کے لیے ترغیبات:

معاشرہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عام استعداد سے زیادہ استعداد رکھتے ہیں ان کے لیے فرض کے علاوہ نوافل تجویز کیے گئے ہیں۔ ان نوافل کو جو شخص جس حد تک بجا لائے گا اسی قدر اس کے درجات بلند ہوں گے۔ ایسے نوافل

(جنہیں تطوع بھی کہا جاتا ہے) کی کئی اقسام ہیں مثلاً:

ا۔ فرض رکعات کے ساتھ سنتیں اور نوافل۔فرض رکعات کے ترک سے کفر لازم آتا ہے۔مثلاً فجر کی فرض رکعات دو ہیں۔ظہر کی چار' عصر کی چار' مغرب کی تین اور عشاء کی چار۔ اب ان رکعات پر جو اضافہ رسول اللہ ﷺ نے تطوعًا کیا' وہ ہمارے لیے سنت رکعات ہیں۔مثلاً فجر کی نماز سے پہلے دو رکعات سنت یا ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو رکعت سنت وغیرہ۔پھر ان فرض او رسنت رکعات پر مزید رکعات کا تطوعًا اضافہ ہوا اسے نفل کہتے ہیں۔مثلاً ظہر کے آخر میں دو رکعت 'مغرب کے بعد دو رکعت نفل اور عشاء میں چار رکعات نوافل ہیں۔

۲۔ یہ پانچ نمازیں تو ہر عاقل بالغ' مرد' عورت پر فرض ہیں۔پھر کچھ نمازیں ایسی ہیں جو ہیں تو فرض مگر ہر ایک پر نہیں۔انہیں فرضِ کفایہ کہتے ہیں۔مثلاً نماز جمعہ اور نماز جنازہ اور کچھ نمازیں ایسی ہیں جو سنت ہیں مثلاً تہجد کی نماز' جو رسول اللہ ﷺ پر تو فرض تھی مگر امت کے لیے سنت موکدہ ہے۔پھر کچھ نمازیں نفل کی حیثیت رکھتی ہیں مثلاً چاشت او راوابین اور شکرانہ کے نوافل جن کا کوئی وقت مقرر نہیں اور کچھ نمازیں ایسی ہیں جن کا تعلق صرف حالات سے ہوتا ہے۔مثلاً نمازِ استسقاء' نماز خسوف اور کسوف وغیرہ۔

اب دیکھیے فرض نمازوں اور بالخصوص فرض رکعات کا تارک کافر ہے۔فرض کفایہ اور سنت موکدہ کا تارک گنہگار رہوتا ہے اور نوافل کی عدم ادائیگی سے کچھ بھی نہیں بگڑتا لیکن ادائیگی کے فائدے ضرور ہیں۔ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ فرائض کی کمی ان سے پوری کر دی جاتی ہے' دوسرے نوافل میں کثرت ترقی درجات کا سبب بنتی ہے۔

لہٰذا جہاں تک ہو سکے ان سے بھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔

ترغیبات کی حد:

نوافل جتنے بھی بجالائے جائیں تقربِ الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں تاہم ان کی بھی ایک حد ہے جو شریعت نے مقرر کر دی ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو بن عاص (ا) کا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے نکاح کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی سے چنداں دلچسپی نہ رکھتے اور ساری رات نماز میں گزار دیتے اور دن کو روزہ رکھ لیا کرتے۔ ان کی اس بات سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد بھی پریشان تھے اور بیوی بھی۔ آخر باپ نے اس بات کا رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو کو بلایا اور فرمایا۔ ''میں نے سنا ہے کہ تم رات بھر قیام کرتے ہو اور سوتے نہیں اور ہمیشہ دن کو روزے رکھتے ہو چھوڑتے نہیں۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''ہاں یا رسول اللہ ﷺ!''

آپ ﷺ نے فرمایا ''یوں کرو کہ رات کو قیام بھی کرو اور سوؤ بھی کیونکہ تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ

ا۔ یہی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے احادیث لکھنے کی اس وقت اجازت دی تھی جبکہ دوسروں کو نہ تھی۔ احادیث کے اس دفتر کا نام آپ نے صادقہ رکھا تھا جو تقریباً ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا۔ آپ جب بوڑھے ہو گئے تو ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھنے کی طاقت نہ رہی۔ اس وقت آپ افسوس اور حسرت سے کہا کرتے تھے کہ کاش! جو رخصت مجھے رسول اللہ ﷺ دیتے تھے وہ میں قبول کر لیتا۔ مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ سے عہد کر چکے تھے لہٰذا اس کا حل یہ نکالا کہ آٹھ دس دن مسلسل افطار کرتے پھر جب طاقت بحال ہو جاتی تو اتنے ہی دن روزہ رکھ لیتے۔

پر حق ہے اور ایک ماہ میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ دس گنا اجر دیتا ہے۔ تمہارے پورے مہینے کے روزے لکھے جائیں گے۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ کہنے لگے۔ "یارسول اللہ ﷺ! مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اچھا ایک ماہ میں دس روزے رکھ لیا کرو۔ ایک دن روزہ رکھو اور دو دن چھوڑ دو۔"

حضرت عبداللہ کہنے لگے "یارسول اللہ ﷺ مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا "اچھا داؤد علیہ السّلام کا روزہ رکھو۔"

حضرت عبداللہ نے پوچھا "وہ کیا ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا "وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑتے تھے اور دشمن کے مقابلہ سے بھاگتے نہیں تھے۔"(۱)

(بخاری' کتاب الصوم۔ باب حق الاھل فی الصوم)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ دورِ نبوی ﷺ میں یہ ہوا کہ تین اشخاص (حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ) درِ نبوی ﷺ پر حاضر ہوئے آپ گھر پر موجود نہ تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے متعلق

۱۔ یعنی باری باری روزہ رکھنے کے بعد بھی حضرت داؤد کی جسمانی طاقت بحال رہتی تھی۔

پوچھا۔ جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے گویا اتنی عبادت کو کم سمجھا اور کہنے لگے ''کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ ﷺ ان کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف کئے جا چکے (یعنی ہمیں ان سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے) پھر ایک نے کہا ''میں رات بھر قیام کیا کروں گا اور سوؤں گا نہیں۔'' دوسرے نے کہا ''میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی نہ چھوڑوں گا۔'' تیسرے نے کہا ''میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور عورتوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہوں گا۔'' وہ یہ باتیں کر کے گئے ہی تھے کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ انہیں اس گفتگو کا حال معلوم ہوا تو انہیں بلایا اور فرمایا۔

((انتم الذین قلتم کذا و کذا ؟اما واللّٰہ انی لاخشاکم لِلّٰہ واتقاکم لکنّی اصوم وافطِر واصلّی وارقُدُ واتزوّج النّسآء فمن رَغِبَ عَن سنّتی فلیس منّی))

(بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب الترغیب فی النکاح)

ترجمہ: ''کیا تم لوگوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔؟ خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں۔ اس کے باوجود میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں رات کو قیام کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں تو جو کوئی میری سنت کو ناپسند کرے اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔''

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل بھی اسی حد تک تقربِ الٰہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔ جو کوئی اس حد سے آگے بڑھے گا وہ ثواب حاصل کرنے کی بجائے الٹا معصیتِ رسول اللہ ﷺ کا مرتکب

قرار پائے گا اور گنہگار رہوگا۔

زکوٰۃ کی مثال:

بعینہٖ یہی مثال اسلام کے دوسرے اہم رکن زکوٰۃ کی بھی ہے جو ہمارے موضوع سے مناسبت بھی رکھتی ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب، محلِ نصاب اشیاء اور زکوٰۃ کی شرح جو شریعت نے مقرر کی ہے، اس کی قانونی حیثیت یہ ہے کہ اتنی شرائط کے تحت اور اتنی قلیل مقدار میں بھی نفاق فی سبیل اللہ نہ کرنے والا (قانونی زبان میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا) دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ جس طرح فرض نماز کا تارک کافر ہے بعینہٖ اسی طرح فرض صدقہ (زکوٰۃ) کا منکر بھی کافر ہے اور اس بات کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کیا تھا۔

فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات کا میدان بھی نفلی نمازوں کی طرح بہت وسیع ہے اور ان کی بھی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً:

واجبی صدقات:

واجبی صدقات بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو مختلف گناہوں کے کفارے ہیں مثلاً:

۱۔ جو شخص احرام کی حالت میں شکار کرے اس پر اس شکار کی مثل جانور یا اس کا عوض (نقدی وغیرہ کی صورت میں) صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے یا اس کے عوض کے برابر مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری ہے۔ (مائدۃ: ۹۵)

۲۔ فرضی روزہ توڑنے کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی ہے اور غلام آزاد کرنا بھی۔ (بخاری۔کتاب الصوم۔ باب اذا جامع......)

۳۔ احرام کی حالت میں شکار کرنے والے کے کفارہ کی ایک شکل ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ (مجادلة: ۴)

۴۔ قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں پوشاک مہیا کرنا یا غلام آزاد کرنا ہے۔ (مائدة: ۸۹)

۵۔ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ ان کا فدیہ بھی ایک مسکین کا دو وقت کا کھانا ہے۔ (بقرة: ۱۸۴)

۶۔ قتل عمد ہو یا خطا' اس میں غلام آزاد کرنا واجب ہے۔ (النساء : ۹۲)

یاد رہے ان تمام قسم کے کفاروں اور صدقات کا فائدہ معاشی لحاظ سے کمزور طبقہ کو پہنچتا ہے۔ دوسری قسم کے واجبی صدقات ایسے ہیں جن کے ذریعہ اسلامی تہواروں یا عیدین کے موقعہ پر غریبوں کو عید کی خوشی میں شریک بنایا جاتا ہے۔ عید الفطر کے موقعہ پر صدقہ فطر یا فطرانہ واجب ہے اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کو ہر صاحبِ استطاعت کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ قربانی کے گوشت کا زیادہ سے زیادہ تہائی حصہ گھر میں رکھا جا سکتا ہے۔ باقی گوشت اقرباء کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور کھال بھی صدقہ کے طور پر دینا ضروری ہے۔

اختیاری صدقات:

اختیاری صدقہ کو نفلی صدقہ بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے صدقات اختیاری

صرف اس لحاظ سے ہوتے ہیں کہ ان میں صدقہ کی مقدار یا کوئی خاص وقت متعین نہیں ہوتا۔یعنی کوئی شخص جب چاہے اور جتنا چاہے اور جسے چاہے دے سکتا ہے۔ ایسے صدقات کی ادائیگی کے بھی وہی فوائد ہیں جو نماز کے نوافل کے ہوتے ہیں۔ یعنی اگر فرائض میں کمی رہ گئی ہو تو ایسے صدقات سے پوری کر دی جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ یہی صدقات تقربِ الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں۔لہذا ایسے صدقات کی ادائیگی صرف اہل ثروت کے لیے ہی ضروری نہیں بلکہ تنگدست حضرات کو بھی ان کے لیے بہت ترغیب دی گئی ہے۔لہٰذا تنگدست حضرات کو بھی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے۔ان کے لیے بھی بخل کے مرض سے نجات اور نفس کا تزکیہ ایسے ہی ضروری ہے جیسے صاحبِ حیثیت لوگوں کے لیے ضروری ہے۔ایسے صدقات کا میدان بھی بہت وسیع ہے۔غریبوں کو قرضِ حسنہ دینا قرضہ معاف کر دینا یا کسی قرض تلے دبے ہوئے کا قرض اتار کر اسے اس بوجھ سے نجات دلانا' بیواؤں' یتیموں کا خیال رکھنا' اپنے قریبی رشتہ داروں اور ہمسایوں میں سے غریب محتاج لوگوں کی دست گیری کرنا' دینی اداروں سے تعاون اور مساجد کی آبادی و تعمیر میں حصہ لینا' خیراتی اور باہمی تعاون کے اداروں میں شریک ہونا۔غرضیکہ ان صدقات کا میدان فرضی صدقات کے میدان سے بہت زیادہ وسیع ہے اور ایسے صدقات کی حد جو قرآن نے بتائی ہے وہ یہ ہے۔

صدقات کا بلند ترین درجہ:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ (۲:۲۶۹)

''اے پیغمبر ﷺ! آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ ان سے کہہ دیجیے کہ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہے۔''

اسی چیز کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمائی۔

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ من کان له فضلٌ من ظهرٍ فلیُعِدْ بِهٖ علٰی مَن لَا ظهرٍ له ومن کان له فَضْلٌ مِّنْ زَادٍ فَلْیُعِدْ مَنْ لَا زَاد لَهٗ فَذَكَرَ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ مَاذَكَرَ حَتّٰی رَاَیْنَا اَنَّهٗ لَا حَقَّ لاحدٍ مِّنَّا مِنْ فَضْلٍ))

(مسلم۔ کتاب اللقطۃ۔ باب الضیافة)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس کے پاس فالتو سواری ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زادِ راہ ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔''

راوی ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ''آپ ﷺ نے مال کی ایک ایک قسم کا ایسے ہی جدا جدا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ ہم میں سے کسی کا بھی اپنے زائد مال میں کوئی حق نہیں ہے۔''

گویا شریعت نے انفاق فی سبیل اللہ کا کم سے کم درجہ بتا دیا اور وہ ہے فرضی زکوٰۃ کی ادائیگی جو کفر اور اسلام کی حد پر واقع ہے اور زیادہ سے زیادہ درجہ بھی بتا دیا اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنی ضرورت سے زائد سب کچھ اللہ کی راہ میں دے دے۔ ان دونوں درجوں کے درمیان بہت وسیع میدان ہے جس میں ہر مسلمان اپنی

ہمت اور کوشش کے مطابق خرچ کر کے اسی مناسبت سے تقربِ الٰہی اور بلند درجات حاصل کرسکتا ہے۔

صدقہ کی آخری حد:

پھر جس طرح شریعت نے نماز کے نوافل اور نفلی روزے کی حد مقرر کردی ہے اسی طرح صدقہ کی بھی حد مقرر کردی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى﴾ (بخاری۔ کتاب الوصایاباب من بعد وصیة)

ترجمہ:''صدقہ اتنا ہی بہتر ہے جس کے بعد انسان خود محتاج نہ ہو۔''

گویا ایسا صدقہ جو ضرورت سے زائد ہونے کے بجائے خود کو بھی ضرورت میں مبتلا کردے یا محتاج بنادے ایسا صدقہ کرنا نیکی کا کام نہیں بلکہ معصیتِ رسول ہے لہٰذا گناہ میں شمار ہوگا۔(۱)

مندرجہ بالا دونوں مثالوں میں زکوٰۃ کی مثال تو ہمارے حسبِ حال اور

۱۔ ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انبیاء کے لئے کچھ خاص احکام ہوتے ہیں جن کے لئے امت مکلف نہیں ہوتی۔حسب حال مثالیں یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر نماز تہجد فرض تھی۔امت پر فرض نہیں ہے'آپ ﷺ وصلی روزے رکھتے تھے۔یعنی روزہ کھولے بغیر ہی دن کا روزہ شروع ہوجاتا ہے۔اس طرح کئی کئی دن متواتر آپ افطار نہ فرماتے۔لیکن ایسے روزے سے آپ نے امت کو منع فرمادیا۔انبیاء کا ترکہ بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے جبکہ دوسروں کا ترکہ تقسیم ہونا ضروری ہے۔اسی طرح عام مسلمانوں کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ اس حد تک ہی صدقہ کرسکتے ہیں کہ بعد میں خود محتاج نہ ہوجائیں۔لیکن آپ اس حکم سے مستثنیٰ تھے اور قرض اٹھا کر بھی صدقہ دیا کرتے تھے۔امت پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے۔لیکن آپ کے پاس کبھی اتنا مال جمع نہ ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنے کی نوبت آئے۔آپ ﷺ صدقہ کے اس کم تر درجہ کو کیونکر گوارا فرما سکتے تھے؟

ہمارے موضوع سے گہری مناسبت رکھتی ہے۔اسی مثال کی مزید وضاحت کے لیے نماز کی مثال بھی پیش کی گئی ہے۔ان دونوں مثالوں سے درج ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ شریعت نے ہر نیک عمل کی نچلی حد اور اوپر کی حد مقرر کر کے ہر ایک کے سعی وعمل کے لیے بڑا وسیع میدان مہیا کر دیا ہے۔

۲۔ ارکان کے سلسلہ میں نچلی حد اسلام اور کفر کی درمیانی حد ہوتی ہے۔جسے کسی حکم کی قانونی حیثیت کہہ سکتے ہیں اور فتویٰ اسی کے مطابق دیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اسلام نے قانون پر بہت کم انحصار کیا ہے۔اس کی تعلیمات کا پیشتر حصہ اخلاقیات اور ترغیبات پر مشتمل ہے اور انہی ذرائع سے وہ نفوس کا تزکیہ اور معاشرہ کی ناہمواریوں کو دور کر کے اس کی تطہیر کرنا چاہتا ہے۔اس تمہید کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع اسلام اور فاضلہ دولت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

☆☆☆

باب نمبر:۲

اسلام میں فاضلہ دولت

ہمارا موضوع یہ ہے کہ آیا ایک مسلمان اپنے پاس فاضلہ دولت رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر یہ سوال یوں ہوگا کہ آیا اسلام میں دولت مند بننے یا بنے رہنے کا جواز ہے؟ اس سوال کا جواب مندرجہ بالا تمہیدی تصریحات کی روشنی میں نہایت آسانی سے یوں دیا جاسکتا ہے کہ جہاں تک جواز کے فتویٰ کا تعلق ہے تو یہ جواز ضرور موجود ہے اگرچہ فضائلِ اعمال کے لحاظ سے یہ کمتر درجہ ہے۔

موجودہ دور میں اس مسئلہ نے ایک اختلافی اور پیچیدہ سی صورت اختیار کر لی ہے اور اس کی وجوہ دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ اشتراکیت سے متاثر حضرات فاضلہ دولت کو اپنے پاس رکھنا جائز ہی نہیں' گناہ سمجھتے ہیں اور اپنے اس موقف کا زور شور سے پرچار کر رہے ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مؤقف پیش کرتے ہیں جو فاضلہ دولت کو اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے۔

دوسری وجہ ایسے مسلمانوں کا طرزِ عمل ہے جو فاضلہ دولت کے جواز سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دولت کی محبت ان کے دلوں میں گھر چکی ہے۔ انہوں نے فرضی زکوٰۃ کے علاوہ ترغیبی صدقات پر عمل کرنا یکسر ترک کر دیا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ وہ فرضی زکوٰۃ کے علاوہ کچھ دینا جرم سمجھتے ہیں تو یہ بھی بے جا نہ ہوگا بلکہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ایسی بھی ہے جو زکوٰۃ تک بھی ادا کرنے کی روادار نہیں۔ حیرانی کی بات ہے کہ نماز کے نوافل کے سلسلہ میں آج کا مسلمان بھی بہت حد تک دلچسپی رکھتا ہے۔

اکثر مسلمان فرض رکعات کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی ادا کرتے ہیں۔کم ازکم رمضان میں نماز تراویح بھی ادا کرتے ہیں۔جمعہ اور عیدین کا فرض نمازوں سے بھی زیادہ خیال رکھتے ہیں لیکن صدقات یا انفاق فی سبیل اللہ کا مسئلہ کچھ ایسا ہے کہ مسلمان بس فرضی زکوٰۃ پر کچھ اس طرح قناعت کر گیا ہے کہ اس درجہ سے آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لیتا۔اسی وجہ سے طبقاتی تقسیم پیدا ہو جاتی ہے۔

ہمارے خیال میں دونوں فریق افراط وتفریط کا شکار ہیں تاہم چونکہ دونوں فریق اپنے دلائل کتاب وسنت اور تعاملِ امت سے پیش کرتے ہیں۔لہٰذا ان دونوں کے دلائل کا موازنہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

فاضلہ دولت یا اکتناز کے حق میں دلائل

ا۔آیۂ اکتناز اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استفسار:

درج ذیل آیات میں فاضلہ دولت رکھنے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے تاہم انہی آیات سے فریقین اپنے اپنے حق میں دلیل اخذ کرتے ہیں لہٰذا ان آیات کو اس بحث کے دوران ہر وقت مدنظر رکھنا چاہیے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ.يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (التوبة:۳۴:۳۵)

ترجمہ:’’اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ

نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجیے جس دن وہ خزانہ آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیوں' پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم اپنے لیے خزانہ بنا رہے تھے سو اب تم اس خزانے کا مزہ چکھو۔"

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات سے بہت پریشان ہوئے کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ تو اپنی ضرورت سے زائد بچا کر رکھتا ہی ہے اور جو چیز بھی ضرورت سے زائد پاس موجود ہو وہی کنز ہوتا ہے جس پر ایسی سخت وعید نازل ہوئی ہے۔ جب یہ چرچا ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "میں اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھتا ہوں۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے پیچھے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ بھی چلے گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال پر فرمایا کہ "اللہ تعالی نے زکوٰۃ اسی لیے مقرر فرمائی ہے کہ باقی مال پاک ہو جائے۔ (یعنی زکوٰۃ کے بعد وہ مال کنز کی تعریف میں نہیں آتا)"

(تفسیر ابن کثیر زیرِ آیت محولہ بالا۔ بحوالہ مسند احمد)

اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک مختصر سی روایت صحیح بخاری میں اس طرح آئی ہے۔

((عن خالد بن اسلم قال خرجنا مع عبد الله بن عمر فقال : هٰذَا قَبْلَ اَنْ تُنْزَلَ الزَّكوٰة فَلَمَّا اُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللّٰهُ طُهْرًا لِلْاَمْوَالِ))

(بخاری۔ کتاب التفسیر۔ زیرِ آیت محولہ بالا)

ترجمہ: ''خالد بن اسلم کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نکلے تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ یہ آیت (اَلَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ......) اس وقت کی ہے جب زکوٰۃ کا حکم نہیں اترا تھا۔ پھر جب زکوٰۃ کا حکم اترا تو اللہ نے زکوٰۃ سے اموال کو پاک کر دیا۔''

زکوٰۃ اگرچہ ۲ ھ میں فرض ہو چکی تھی تاہم یہ حکم انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کرنے سے متعلق تھا۔ سورہ توبہ کے اس حصہ کا (جس میں یہ آیۂ اکتناز شامل ہے) کا زمانہ نزول اواخر ذی قعدہ ۹ ھ ہے۔ اس سے دو تین ماہ پیشتر یعنی جنگ تبوک (رجب ۹ ھ) سے واپسی کے بعد زکوٰۃ سے متعلق وہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو بحیثیت سربراہ مملکت اسلامی زکوٰۃ کو اجتماعی طور پر وصول کرنے کا حکم بدیں الفاظ دیا گیا ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (۹: ۱۰۳)

ترجمہ: ''اے پیغمبر! آپ ﷺ ان (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے اموال سے صدقہ (فرضی یعنی زکوٰۃ) وصول کر کے (ان کے اموال کو) پاک اور (ان کے نفوس کا) تزکیہ کیجیے۔''

ان تصریحات سے واضح ہے کہ اگر انسان زکوٰۃ ادا کر دیا کرے اور مال حلال ذرائع سے کمایا گیا ہو تو فاضلہ دولت اپنے پاس بچے رہنے میں چنداں مضائقہ نہیں۔

۲۔ دوسری دلیل: احکام میراث:

احکام میراث مدنی دور کے آخری حصہ میں نازل ہوئے بالخصوص کلالہ کی

میراث کے احکام تو آپ ﷺ کی زندگی سے چند ماہ بیشتر ہی نازل ہوئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر فاضلہ دولت پاس رکھنے کا جواز ہی نہ ہوتو احکامِ میراث کے نزول کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کی آخری زندگی میں احکامِ میراث کا نزول فاضلہ دولت کے جواز کا واضح ثبوت ہے۔

۳۔ارکانِ اسلام کی بجا آوری:

ارکانِ اسلام میں سے کم ازکم دو رکن زکوٰۃ اور حج ایسے ہیں جن کی تعمیل صرف اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ فاضل دولت انسان کے پاس موجود ہو۔ اجتماعی زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم ۹ ھ میں نازل ہوا اور اسی طرح حج بھی ۹ ھ میں فرض ہوا۔ آپ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں اجتماعی زکوٰۃ اور حج کی فرضیت کے احکام کا نزول اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام میں فاضلہ دولت کا پاس رکھنا ہی ناجائز ہوتو ان احکام کے نزول کا کچھ فائدہ نہ تھا۔

۴۔عورتوں کا مہر:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا﴾ (۴:۱۹)

ترجمہ:''اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنا چاہو اور پہلی عورت کو ایک خزانہ بھی دے چکے ہوتو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔''

اب یہ عورتوں کو خزانہ دینا خواہ مہر کی صورت میں ہو یا نفقہ یا ہدیہ کی صورت

میں' اسی صورت میں ممکن ہے کہ قنطارا اپنے پاس رکھنے کا جواز بھی موجود ہو۔ گویا یہ آیت بھی فاضلہ دولت کے جواز کا واضح ثبوت ہے۔

۵۔ دولت مندی بشرطِ تقویٰ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((لَا بَأسَ بِالغِنٰی لِمَنِ اتَّقَی اللّٰهَ عَزَّ وَجَلّ))(احمد بحوالہ مشکوٰۃ۔ باب استحباب المال فصل ثالث)

ترجمہ: ''جو شخص اللہ عزوجل سے ڈرے اس کو دولتمندی کا کوئی خطرہ نہیں۔''

تعامل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اس سلسلہ میں ہمیں کم از کم چار ایسے صحابہ کرام نظر آتے ہیں جو دینی لحاظ سے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود امیر کبیر بھی تھے۔ دینی لحاظ سے ان کی جلالت شان اس سے زیادہ کیا ہوسکتی ہے کہ یہ سب صحابہ کرام عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ بہ لحاظ دولت ان کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۳۱ھ)

دینی لحاظ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت وفات اپنے بعد خلافت کے لیے جن چھ اشخاص کو نامزد فرمایا ان میں سے ایک آپ بھی تھے۔ بعد میں خلیفہ کے انتخاب کا اختیار بھی آپ ہی کے سپرد ہوا اور آپ نے بطورِ خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شوریٰ کے رکن تھے۔ جب

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کی زمینوں کو قومی تحویل میں لینے کا ارادہ کیا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتنی شدید مخالفت کی کہ ناک میں دم کر دیا تھا اور یہ مخالفت بھی بر بنائے استدلال تھی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ آتے ہی تجارت کا کاروبار شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال میں بہت زیادہ برکت دی۔ آپ کو ہر وقت کثرت مال کے فتنہ کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ چنانچہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ:۔

((أُتِی عبد الرحمٰن بن عوف یَوْماً بِطَعَامٍ فَقَالَ قُتِلَ مَصْعَب بن عُمَیر وَکَانَ خَیْرًا مِنِّیْ فَلَمْ یُوْجَدْلَه‘مَا یُکْفَنُ فِیْهِ اِلَّابُرْدَةٌ وَقُتِلَ حَمْزَةَ اَوْرَجُلٌ اٰخَرَ هُوَخَیْرًامِنِّیْ فَلَمْ یُوْجَدْ لَه‘ مَا یُکْفَنَ فِیْه اِلَّابُرْدَ ةً لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ یَّکُوْنَ قَدْ عُجِّلَتْ لَنَا طَیِّبَا تِنَا فِیْ حَیَاتِنَا الدُّنْیَا ثُمَّ جَعَلَ یَبْکِیْ))

(بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب الکفن من جمیع المال)

ترجمہ: ”حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک روز کھانا رکھا گیا تو کہنے لگے ”مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے۔ ان کے کفن کے لئے صرف ایک چادر ملی اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی اور کو کہا کہ شہید ہوئے اور وہ بھی مجھ

سے بہتر تھے۔ ان کے کفن کے لیے بھی صرف ایک چادر ملی۔ میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ عیش و آرام کے سامان ہمیں دنیا میں ہی دے دیئے جائیں۔'' یہ کہہ کر رونا شروع کر دیا۔''

آپ زندگی بھر دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے۔ پھر بھی جب آپ دنیا سے رخصت ہوتے لگے تو وصیت فرمائی کہ:

الف۔ اس وقت جس قدر بدری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود ہیں۔ ان سب کو چار چار سو دینار پیش کیے جائیں۔ اس وقت ایک سو سے زائد بدری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بقید حیات تھے۔ ان سب نے یہ رقم بخوشی قبول کی حتیٰ کہ حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اپنا حصہ وصول کیا اور وہ اس وقت خود خلیفہ تھے۔ (اسد الغابۃ ج ۴۔ صفحہ ۳۱۷)

ب۔ پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیے جائیں۔ (حوالہ ایضاً)

اس وصیت کے بعد جب ترکہ تقسیم ہوا تو آپ کی تین بیویوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ دینار ملا۔ گویا ۲۴ لاکھ دینار تو وصیت کی ادائیگی کے بعد بصورت زر نقد یا فاضلہ دولت موجود تھا۔ علاوہ ازیں آپ نے ایک ہزار اونٹ ۳ ہزار بکریاں اور سو گھوڑے ورثہ میں چھوڑے تھے۔

۲۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۳۶ھ)

رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور آپ ﷺ کے ہم زلف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے داماد عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقعہ پر آپ کو اپنا حواری قرار دیا۔(بخاری۔کتاب المناقب باب مناقب الزبیر بن العوام) اور ایک دوسرے موقعہ پر آپ کے جذبہ جانثاری کو ''فداک ابی وامی'' (آپ پر میرے ماں باپ قربان) کے خطاب سے نوازا تھا(حوالہ ایضاً) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت وفات خلیفہ کے انتخاب کے لئے جن چھ اشخاص کو نامزد کیا تھا ان میں سے ایک آپؓ بھی تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے۔دورِ عثمانی میں ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے استخلاف کے سلسلہ میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''واللہ زبیر بن عوام سب لوگوں سے بہتر ہیں۔ (بخاری حوالہ ایضاً)

آپ ہی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ کے بعد حجاز کے علاقہ پر سات برس تک بطور خلیفۃ المسلمین حکومت کی۔

آپ تاجر بھی تھے اور زمیندار بھی۔خود رسول اللہ ﷺ نے آپ کو خیبر کے نخلستانوں میں سے ایک نخلستان عطا کیا تھا۔اس کے علاوہ بھی بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بہت بڑا قطعۂ ارض عطا فرمایا تھا۔ (بخاری۔ابوداؤد۔احمد)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس کام میں بھی ہاتھ ڈالا اس میں کبھی نقصان نہ ہوا۔آپ کا ایک مکان کوفہ میں ایک مصر میں' دو بصرہ میں اور گیارہ مکان مدینہ میں تھے اور باغات بھی بہت تھے۔

(بخاری۔کتاب الجہاد والسیر باب برکۃ الغازی فی مالہ......)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی بھر دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے۔ اگر کوئی سائل آ جاتا اور آپ کے پاس نقد کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر بھی اس کی حاجت پوری کر دیا کرتے تھے۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پانے لگے تو ۲۲ لاکھ درہم اسی طرح کا قرض سر پر تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر وصیت فرمائی کہ پہلے قرض اتارا جائے' بعد میں صدقہ و خیرات کیا جائے۔ اس کے بعد ترکہ تقسیم کیا جائے۔ ترکہ کی تقسیم میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ لاکھ درہم ورثہ میں نقد ملے۔ گویا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بقایا نقد جائیداد ۴۸ لاکھ درہم یا تین کروڑ چوراسی لاکھ درہم تھی جبکہ آپ کی کل جائیداد پانچ کروڑ دو لاکھ ہوئی۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد والسیر باب برکة الغازی فی ماله ......)

۳۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۳۶ھ:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان چھ اصحاب میں سے بھی ہیں جنہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے لیے منتخب کیا تھا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاجر تھے' مختلف ممالک میں سفر کر کے تجارت کو خوب فروغ دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر ملک میں غیر منقولہ جائیدادیں بھی خریدکیں۔ انفاق فی سبیل اللہ میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔ ایک دن سخت پریشان بیٹھے تھے۔ بیوی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے ''میرے پاس

بہت بڑی رقم جمع ہوگئی ہے۔سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں؟'' بیوی نے کہا'' غرباء میں بانٹ دیجئے۔''

چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی لونڈی کو بلا کر چار لاکھ کی خطیر رقم اپنی قوم کے غرباء میں تقسیم کرادی۔

بنوتیم کے تمام محتاج اور تنگدست خاندانوں کی کفالت' غریب لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کی شادی کرنا اور مقروض کا قرض ادا کرتے رہنا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص شیوہ تھا۔صبیحہ تیمی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھ پر تیس ہزار درہم قرض ہوگیا جس کی وجہ سے میں پریشان تھا۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو یہ سارا قرض اپنے پاس سے ادا کردیا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے موسیٰ بن طلحہ سے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والدین نے کتنا ترکہ چھوڑا تھا؟'' موسیٰ نے کہا'' زندگی بھر کی داد و دہش اور صدقہ و خیرات کے باوجود ہمارے لئے بائیس لاکھ درہم' دو لاکھ دینار چھوڑے۔اس کے علاوہ کثیر سونا چاندی بھی جس کا اندازہ نہیں ہوسکا۔'' (طبقات ابن سعد۔ج ۳)

۴۔حضرت عثمان بن عفان۔م۔۳۵ھ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور تیسرے خلیفہ راشد بھی۔رسول اللہ ﷺ کے دوہرے داماد یعنی ذوالنورین ہیں۔اس قدر باحیا کہ فرشتے بھی شرمائیں۔دولت مند اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے تو اور بھی صحابہ

موجود تھے۔مگر غنی کا لقب صرف آپ ہی کے حصے میں آیا۔صرف اسی بات سے آپ کے صدقہ وخیرات کا اندازہ ہوجاتا ہے۔سخاوت کے تین واقعات پر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی تھی۔

۱۔ مسجد نبوی کی توسیع کے کل اخراجات آپ نے اکیلے برداشت کیے تو آپ کو جنت کی بشارت ملی۔

۲۔ یہودیوں سے بئر رومہ خرید کر وقف کیا تو بھی جنت کی بشارت ملی۔

۳۔ جنگ تبوک کے موقعہ پر آپ نے کئی بار صدقہ دے دے کر رسول اللہ ﷺ کو اتنا خوش کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

((مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ))

(ترمذی و مستدرک حاکم۔ ج ۳۔صفحہ نمبر ۱۰۲)

ترجمہ: "آج کے بعد عثمانؓ جو کچھ بھی کرے' اس کا کوئی کام اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

نیز یہ بھی فرمایا:

((اِنِّیْ قَدْ رَضِيْتُ عَنْ عُثْمَانَ فَارْضِ عَنْهُ)) (حاکم)

ترجمہ: "الٰہی! میں عثمان سے خوش ہوگیا ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجا۔"

پھر سب موجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم بھی آمین کہو۔

آپ نے اپنے ۱۲ سالہ دور خلافت میں حق الخدمت کے طور پر بیت المال سے ایک پائی بھی نہ لی۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت ان کا وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ تھا۔اس لحاظ سے آپ نے کم از کم ساٹھ ہزار درہم کی گرانقدر رقم

ایثار کے طور پر مسلمانوں کے لئے چھوڑ دی تھی۔ (طبری صفحہ ۲۳۷)

اس قدر دادودہش کے باوجود بھی آپ نے تین لاکھ درہم نقد' ایک ہزار اونٹ اور بہت سی جائیداد غیر منقولہ بھی چھوڑی۔

یہ ہیں وہ دلائل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ضرورت سے زائد دولت صرف جائز ہی نہیں بلکہ عین خیر و برکت ہے۔ ترکہ کو خود اللہ تعالیٰ نے خیر کہا ہے اور اس زائد دولت سے انسان اگر چاہے تو بہت سے فضائل اعمال بجالا سکتا ہے۔

اکتناز دولت کے عدم جواز کے دلائل

اب اس مسئلہ کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ جو حضرات فاضلہ دولت اپنے پاس رکھنے کو ناجائز سمجھتے ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

ا۔ آیۂ اکتناز اور اختلاف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

فاضلہ دولت سے متعلق آیۃ اکتناز کی تشریح میں پہلے لکھا جاچکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک زکوۃ ادا کر دینے کے بعد فاضلہ دولت پاس رکھنے میں چنداں مضائقہ نہیں۔ لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کے حکم کو عام قرار دیتے ہیں۔ یعنی ان کے خیال میں زکوۃ ادا کرنے کے بعد بھی کسی کے پاس دولت جمع ہو جائے تو اس کا یہی حکم ہے کہ قیامت کے دن اس دولت کو تپا کر اہل دولت کو داغا جائے گا۔

(دیکھیے تفسیر ابن کثیر زیر آیت متعلقہ)

اور حضرت ابوذرؓ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مسئلے میں حضرت عبد اللہ بن

عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی زیادہ سخت تھے۔ چنانچہ احنف بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ:

''میں قریش لوگوں کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس کے بال سخت کپڑے موٹے جھوٹے اور سیدھی سادی شکل تھی۔ اس نے سلام کیا پھر کہنے لگا: ''ان کو خوشخبری سنا ایک پتھر دوزخ کی آنچ میں سینکا جائے گا۔ وہ ان کی چھاتی پر رکھ دیا جائے گا اور ان کے مونڈھے کی اوپر والی ہڈی پر رکھا جائے گا تو چھاتی کی بھٹنی سے پار ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ پتھر ڈھلکتا رہے گا۔'' یہ کہہ کر اس نے پیٹھ موڑی اور ایک ستون کے پاس جا بیٹھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''میں سمجھتا ہوں تمہاری یہ بات ان لوگوں کو ناگوار گزری ہے۔'' وہ کہنے لگا ''یہ لوگ تو بیوقوف ہیں۔ مجھ سے میرے جانی دوست نے کہا۔'' میں نے پوچھا ''تمہارا جانی دوست کون ہے؟'' کہنے لگا'' رسول اللہ ﷺ اور کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا'' ابوذر! تو احد پہاڑ دیکھتا ہے؟'' میں نے عرض کیا ''جی ہاں'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''میں نہیں چاہتا میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو۔ اگر ہو تو میں تین دینار کے علاوہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالوں۔'' اور یہ لوگ تو بے وقوف ہیں جو روپیہ اکٹھا کرتے ہیں اور میں تو خدا کی قسم! ان سے نہ تو دنیا کا کوئی سوال کروں گا نہ دین کی کوئی بات پوچھوں گا یہاں تک کہ اللہ سے مل جاؤں۔'' (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب ما اُدّی زکوتہ......)

۲۔ قرآن کا اندازِ بیان:

قرآن مجید نے جب بھی عمومی انداز سے مال و دولت کا ذکر کیا تو اسے مذموم

چیز ہی ٹھہرایا ہے۔قرآن میں کئی مقامات پر مذکور ہے کہ:

﴿ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾

''سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے اموال اوراولا دفتنہ ہیں۔''

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مال ودولت اگر چہ بذات خود ''خیر'' ہے۔لیکن مال کی محبت کی وجہ سے اکثریت کے لئے یہی خیر فتنہ کا سبب بن جاتی ہے۔لہذا اس سے پرہیز ہی بہتر ہے۔

۳۔انفاق فی سبیل اللہ کے تاکیدی احکام:

انفاق فی سبیل اللہ کا حکم جیسا خوشحالی کے دور میں ہے ویسا ہی تنگدستی کے دور میں بھی ہے نیز یہ حکم صرف امیروں کے لئے ہی نہیں حسبِ توفیق غریبوں کے لئے بھی ہے۔ابتدائے اسلام کا زمانہ نہایت عسرت کا زمانہ تھا۔اس دور میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کے نہایت تاکیدی اور ترغیبی احکامات دیے گئے ہیں (جیسے سورہ ہمزہ اور ماعون میں) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت سے زائد مال ودولت کی گنجائش کم ہی نظر آتی ہے۔

۴۔رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ا۔﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (۲۸/۱۸)

ترجمہ:''اور تمہاری نگاہیں ان سے آگے نہ بڑھیں کہ تم آرائش زندگی دنیا کے خواستگار بن جاؤ۔''

۴۔ ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَامَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾

ترجمہ: ''ہم نے (کافروں کی کئی) جماعتوں کو فوائد دنیوی سے فائدہ دیا ہے تو تم ان کی طرف آنکھیں بھی نہ اٹھاؤ۔'' (۱۵: ۸۸) (۳۱: ۱۳۰)

ان آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سامانِ زیست کی افراط جو فاضلہ دولت ہی کا دوسرا نام ہے۔ کوئی پسندیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ فاضلہ دولت اس کے رسول ﷺ کے ہاں کیونکر پسندیدہ ہو سکتی ہے۔

۵۔ ضرورت سے زائد مال:

انفاق فی سبیل اللہ کے بکثرت اور تاکیدی احکام کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وہ اپنے مال میں سے کیا کچھ خرچ کریں تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا کہ:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (۲: ۲۱۹)

ترجمہ: ''آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو۔''

اگرچہ ضرورت سے زائد مال کو فی سبیل اللہ خرچ کر دینے کا حکم وجوب کا درجہ نہیں رکھتا تاہم استحباب اور فضیلت اسی میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو بحرین سے جزیہ لانے کے لئے بھیجا۔ جب حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جزیہ کا مال لے کر

واپس آئے تو اگلے دن صبح کی نماز میں معمول سے زیادہ لوگ شریک ہوئے اور سلام پھیرتے ہی (حسن طلب کے طور پر) آپ کے سامنے آئے۔ آپ ﷺ بات سمجھ کر مسکرا دیئے اور فرمایا تم خوش ہو جاؤ اور خوشی کی امید رکھو (یعنی تم کو ضرور روپیہ ملے گا) پھر فرمایا۔

((فَوَاللّٰهِ مَاالْفَقْرُ اَخْشٰی عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰی عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْا فَتُلْهِيَكُمْ كَمَا اَلْهَتْهُمْ))

(بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب مایحذر......)

ترجمہ: ''خدا کی قسم مجھ کو تمہاری محتاجی کا کچھ ڈر نہیں ہے۔ بلکہ مجھ کو تو یہ ڈر ہے کہ تم پر سامان زیست کی یوں فراوانی ہو جائے جیسے کہ اگلے لوگوں پر ہوئی اور تم بھی اسی طرح دنیا کے پیچھے پڑ جاؤ جس طرح وہ پڑ گئے اور یہ مال کی کشادگی تمہیں آخرت سے اسی طرح غافل نہ کر دے جس طرح ان لوگوں کو کیا تھا۔''

۲۔ پھر ایک دفعہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا۔

((وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِیْ وَلٰكِنِّیْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا)) (بخاری۔ حوالہ ایضاً)

ترجمہ: ''خدا کی قسم! مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگ جاؤ گے بلکہ میں تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں دنیا میں ہی دل نہ لگا بیٹھو۔''

۳۔ اور ایک دفعہ یوں فرمایا۔

((اَنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَ فِتْنَةُ اُمَّتِی الْمَالُ))

(ترمذی۔بحوالہ مشکوۃ۔کتاب الرقاق۔دوسری فصل)

ترجمہ:''ہر امت کی ایک آزمائش ہے اور میری امت کی آزمائش مال ہے۔''

۴۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں گھر سے نکلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اکیلے جا رہے ہیں۔چاندنی رات میں انہوں نے مجھے دیکھ کر پاس بلالیا۔میں تھوڑی دیر آپ ﷺ کے ساتھ چلتا رہا۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔

((اِنَّ الْمُكْثِرِيْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا مَنْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا فَنَفَخَ فِيْهِ يَمِيْنَهُ وَشِمَالَهُ وَبَيْنَ يَدَيْهِ وَوَرَائِهِ وَعَمِلَ فِيْهِ خَيْرًا))

(بخاری۔کتاب الرقاق۔باب المکثرون......)

ترجمہ:''بے شک قیامت کے دن بہت مال ودولت رکھنے والے ہی زیادہ نادار ہوں گے مگر جسے اللہ نے دولت دی تو اس نے اپنے دائیں سے بائیں سے آگے سے اور پیچھے سے ہر طرف سے دولت کو (اللہ کی راہ میں) لٹادیا اور اس مال سے بھلائی کمائی۔''

۵۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔جاتے جاتے جب احد پہاڑ نظر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور کہا: ابوذر! میں نے کہا ''لبیک یارسول اللہ ﷺ!'' آپ ﷺ نے فرمایا''اگر اس پہاڑ برابر سونا میرے پاس ہو تو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ تین دن تک میرے پاس اس میں سے ایک اشرفی بھی رہ جائے الا یہ کہ مجھ پر کسی کا قرض ہو۔میں اسے دائیں سے' بائیں سے' آگے سے' پیچھے سے' ہر طرف سے

بانٹ کر ختم کر دوں۔'' پھر فرمایا ''قیامت کے دن بہت مالدار ہی بہت نادار ہوں گے مگر جس نے بائیں سے آگے سے پیچھے سے ہر طرح خرچ کیا (جوڑ کر نہ رکھا)'' پھر فرمایا ﴿وَقَلِيْلٌ مَّاهُمْ﴾ یعنی ''ایسے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔''

(بخاری . کتاب الرقاق باب ......مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا)

۶۔ عمران بن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ اَكْثَرُ اَهْلُها الْفُقَرَاءِ))

ترجمہ: ''میں نے جنت میں جھانکا تو دیکھا کہ وہاں ان لوگوں کی کثرت ہے جو دنیا میں محتاج تھے۔'' (باب فضل الفقر)

۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

((عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل اغنيائهم بخمسمائةِ عامٍ))

(ترمذی۔ ابواب الزھد۔ باب .ان فقراء ......)

ترجمہ: ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'محتاج مہاجرین دولت مند مہاجرین سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔''

اسوۂ حسنہ

۱۔ ان ارشادات کے بعد اب آپ ﷺ کی عملی زندگی کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے کسی حصے میں ضرورت سے زائد مال کو اپنے

پاس رکھنا پسند نہیں فرمایا۔آپ ﷺ کے پاس سب سے پہلے دولت اس وقت ہاتھ میں آئی جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک مالدار خاتون تھیں اور اپنے مال سے تجارت کرتی تھیں۔نکاح کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا سارا مال معہ ملازم زید بن حارثہ رسول اللہ ﷺ کو دے دیا تھا اور آپ ﷺ نے اس سارے مال ودولت کو اپنی بعثت سے پہلے ہی خرچ کر ڈالا تھا۔یہ مال آپ نے کن مدات میں خرچ کیا تھا؟ یہ شہادت بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی زبانی سنئے۔جب آپ ﷺ پر پہلی بار غار حرا میں وحی نازل ہوئی اور آپ گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہا کہ ''مجھے چادر اڑھا دو' مجھے اپنی جان کا بھی خطرہ ہو چلا ہے۔'' تو اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔

((كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتُقْرِئُ الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ)) (بخاری۔کتاب الوحی)

ترجمہ:'' ایسا ہرگز نہ ہوگا۔خدا کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا کیونکہ (۱) آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں (۲) بے آسرا لوگوں کو بوجھ اٹھاتے ہیں (۳) بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرتے ہیں اور (۴) مہمان نوازی کرتے ہیں اور (۵) حادثات یا مصیبتوں کے وقت حق کا ساتھ دیتے ہیں۔''

اب دیکھ لیجئے یہ سب باتیں بالواسطہ مال ودولت کے خرچ کرنے سے

متعلق ہیں۔ انہی امور میں آپ ﷺ نے وہ سب دولت خرچ کر دی تھی جس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تجارت کیا کرتی تھیں۔

۲۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ کے پاس دولت اس وقت آئی جب اسلام میں فتوحات شروع ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے خود غنائم اور فے کے اموال سے آپ ﷺ کا حصہ مقرر فرما دیا۔ عام مسلمان بھی اس دور میں کسی حد تک خوشحال ہو گئے تھے۔ انہی ایام میں دوسرے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کو بھی آسودگی اور دنیا کی زیب و زینت کا خیال آ گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے زیورات وغیرہ کا مطالبہ کر دیا۔ وقت کے لحاظ سے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کا یہ مطالبہ کچھ بے جا نہ تھا۔ لیکن آپ ﷺ کی قناعت پسند طبیعت پر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کا یہ مطالبہ اتنا گراں گزرا کہ آپ اپنی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن سے کنارہ کش ہو کر مسجد کے بالا خانے میں آ کر مقیم ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کو طلاق دے دی ہے۔ صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ در اقدس پر حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی افواہ سے متعلق استفسار کیا تو آپ ﷺ نے صحیح صورت حال سے مطلع فرما دیا۔ اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنے خوش ہوئے تو بے ساختہ منہ سے اللہ اکبر نکل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی قناعت پسندی کی بات تو خود ان سے سن چکے تھے پھر جب اس سامان پر نظر پڑی جو آپ ﷺ ایک ماہ کے قیام کے لیے

اس حجرہ میں اپنے ساتھ لائے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ایک چٹائی پر لیٹے ہیں اور پتوں کے نشان آپ ﷺ کے ننگے بدن میں کھب گئے ہیں۔ ایک طرف ستوؤں کی ایک تھیلی پڑی ہے اور دوسری طرف پانی کا مشکیزہ۔ یہی کچھ وہ کل سامانِ زیست تھا جو آپ ایک ماہ بھر کی خوراک وغیرہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے ''یا رسول اللہ ﷺ! ایران وروم کے بادشاہ تو عیش وعشرت سے زندگی گزاریں اور مزے اڑائیں اور آپ اس حال میں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''خطاب کے بیٹے! ابھی تک تو اسی خیال میں گرفتار ہے کہ دنیا کی دولت اور فراغت بہت عمدہ چیز ہے۔ ایران وروم کے کافروں کو اللہ نے دنیا میں اس لیے مزے دیے ہیں کہ انہیں آخرت میں سخت عذاب ہونا ہے۔'' (بخاری کتاب النکاح۔ باب موعظة الرجل ابنته)

آپ ﷺ اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے درمیان اس کشمکش کا اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات نازل فرما کر دوٹوک فیصلہ فرما دیا:

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا. وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (۲۹،۲۸:۳۳)

ترجمہ: ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ اگر تم دنیا اور اس کی زینت

چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ سامان دے کر بھلے طریقہ سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کا رسول اور دارِ آخرت چاہتی ہو تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔"

۳۔ اس خدائی فیصلہ کے بعد آپ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پھر باری باری دوسری ازواج سے پوچھا تو ان سب بیویوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی زندگی بسر کرنے کو اختیار فرمایا اور آئندہ نان ونفقہ میں کشادگی کے مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے کبھی پریشانی کا باعث نہ بنیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے روایت ہے کہ مسلسل دو دو ماہ چولہا روشن نہ ہوتا تھا اور ہمارا گزر صرف دو کالی چیزوں (یعنی کھجور اور مٹکے کے پانی) پر ہوتا تھا۔

(بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب کیف کان عیش النبی ......)

۴۔ انہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک دوسری روایت یوں بھی آئی ہے:۔

((مَاشَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ یَوْمَیْنِ مُتَتَا بِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ)) (متفق علیه)

ترجمہ: "آلِ محمد ﷺ (یعنی آپ اور آپ کے اہل خانہ) دو دن مسلسل جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہ بھر سکے۔ تاآنکہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔"

۵۔ اور حضرت سعید مقری کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ لوگوں پر گزرے جن کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی کھانے کے لیے بلایا لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ "رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف

لے گئے اور جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔“

(بخاری۔کتاب الاطعمۃ باب ما کان النبی ﷺ و اصحابه یاکلون)

ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔

((اللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوتًا))(مسلم۔کتاب الزھد)

(بخاری۔کتاب الرقاق،باب کیف کان عیش النبی......)

”یا اللہ! محمد ﷺ کے گھر والوں کو بقدر کفاف روزی دے۔“

یہ اس لیے نہ تھا کہ آپ کے پاس وسائل کی کمی تھی۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے دور کر دی تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴾ (۸:۹۳)

ترجمہ:”اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔“

بلکہ اس کی اصل وجہ آپ کی سادگی پسند اور قناعت پسند طبیعت تھی۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس چند غلام آئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں کہ جا کر شکایت کریں کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں لہٰذا ایک غلام مجھے بھی دے دیں۔ اتفاق کی بات کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس وقت رسول اللہ ﷺ (اپنے باپ) نہ مل سکے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ واقعہ آپ ﷺ کو بتا دیا آپ ﷺ رات کو اس وقت ہماری ہاں تشریف لائے جب ہم بستروں میں سونے کو تھے۔ ہم اٹھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا ”پڑے رہو“ چنانچہ آپ ﷺ ہمارے درمیان بیٹھ گئے اور فرمایا ”کیا میں تمہیں وہ چیز نہ

بتاؤں جو اس سے بہتر ہے جو تم نے طلب کی تھی۔'' پھر فرمایا ''جب تم سونے لگو تو ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔''

(بخاری کتاب الاستیذان۔ باب التکبیر و التسبیح عند المنام)

اس طرح آپ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی اور داماد کو فقر و قناعت کا وہی سبق سکھایا جسے آپ ﷺ اپنی ذات کے لیے پسند فرماتے تھے۔

۵۔ عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں عصر کی نماز آپ ﷺ کے پیچھے پڑھی۔ آپ ﷺ سلام پھیر کر جلدی سے اٹھے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ایک بی بی کے گھر پہنچے جس سے لوگ گھبرا گئے۔ پھر آپ ﷺ باہر نکلے۔ دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کے اس طرح جلد جانے پر متعجب ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

((ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ))

(بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب من صلیٰ بالناس فذکر حاجۃ......)

ترجمہ: ''مجھے (نماز کی حالت میں) یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کی ایک ڈلی رہ گئی تھی۔ مجھے یہ بات بری لگی کہ وہ مجھے اللہ کی یاد سے روکے۔ سو میں نے اس کو تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا ہے۔''

اس حدیث سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ فاضلہ دولت کو چند گھنٹوں کے لیے بھی اپنے پاس رکھنا پسند نہ فرماتے تھے اور جب آپ ﷺ کی

وفات ہوئی تو اس وقت آپ پورے عرب کے سربراہ مملکت تھے۔لیکن حالت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی جس سے آپ نے گھر والوں کے لیے غلہ لیا تھا اور آپ ﷺ نے جو ترکہ چھوڑا وہ اس طرح کے جنگی سامان اور سفید خچر پر مشتمل تھا اور جو چیز بھی آپ کے پاس تھی وہ صدقہ (مسلمانوں کا مال) تھی۔ (بخاری۔کتاب الجہاد باب نفقة نساء النبی بعد وفاته)

۸۔امہات المومنین کا کردار:

واقعہ تخییر کے بعد امہات المؤمنین نے بھی وہی قناعت پسندی اور زہد اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مطلوب تھا۔حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو اس واقعہ سے بہت پہلے ساری دولت حضور اکرم ﷺ کے حوالہ کر دی تھی جسے آپ ﷺ نے بعثت سے پہلے ہی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا۔باقی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر واقعہ ایلاء کے بعد یہی رنگ غالب آ گیا تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

((اَسرَعکن لحاقًا بی اطولکنّ یدًا قالت فکُنَّ یتطا ولن ایتهُنَّ اَطوَلُ یدًا قالَتْ فکَانَتْ اَطوَلُنَایدًا زینب لانها کانت تعمل بیَدِهَا وَ تَصدَّق)) (مسلم۔کتاب الفضائل۔باب فضائل زینب ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

ترجمہ:"تم میں سے سب سے پہلے مجھے وہ ملے گی جس کے ہاتھ سب سے

لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ہم آپس میں اپنے ہاتھوں کی پیمائش کر کے دیکھتی تھیں کہ کس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں۔ حالانکہ حقیقتاً حضرت زینب ہم میں سے لمبے ہاتھوں والی نکلیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ صدقہ وخیرات کیا کرتی تھیں (اور وہی سب سے پہلے ۲۱ھ میں فوت ہوئیں)۔"

اب دیکھئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت زینب کو سب سے مخیّر بتا رہی ہیں، ان کی اپنی داد و دہش کا حال بھی سن لیجئے کہ ایک دفعہ آپ کے پاس بہت سا گوشت آیا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارے کا سارا تقسیم کر دیا اور اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔ جب کھانے پکانے کا وقت آیا تو لونڈی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا "کچھ اپنے لیے بھی گوشت رکھ لیا ہوتا۔" فرمایا "تم بروقت یاد کرا دیتیں تو رکھ لیتی۔"

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے بہت عقیدت تھی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر سال ان کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتے رہتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہر سال دس ہزار درہم مجھے دیا کرتے تھے۔ اور میں یہ ساری رقم اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا کرتی تھی۔

(طبقات ج ۲ صفحہ ۱۵۲)

خلفائے راشدین اور فاضلہ دولت

خلفائے راشدین میں صرف خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عفان دولت مند تھے۔ جن چار دولت مند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہم نے ذکر کیا ہے ان میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر چوتھے یعنی آخری نمبر پر آیا ہے۔ آپ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے علاوہ باقی سب خلفاء انتہائی قناعت پسند اور اس لحاظ سے رسول اکرم ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ان کا مختصر حال ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنیادی طور پر تاجر تھے۔جس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کافی دولت تھی۔آزاد مردوں میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور ایمان لائے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تمام دولت ان غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کر دی جو اسلام لانے کی وجہ سے کفار مکہ کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے۔رسول اللہ ﷺ مسلمانوں پر ایسا ظلم برداشت نہ کر سکتے تھے۔آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے آزاد کرانے کا اشارہ فرماتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان غلام مسلمانوں کی منہ مانگی قیمت ادا کر کے انہیں آزاد کر دیتے تھے۔حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن فہیرہ کے علاوہ بیسیوں غلام آپ نے اسی طرح آزاد کرائے تھے۔

(فتح الباری ج.۷. صفحہ ۱۹۲)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان خدمات کا اعتراف اپنی وفات سے چند یوم قبل ان الفاظ میں فرمایا:

((ان من امن الناس علیّ فی صحبتہٖ و مالہٖ ابابکر))

(بخاری۔کتاب المناقب۔باب مناقب المهاجرین)

ترجمہ: ''سب لوگوں میں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احسان مال اور صحبت کے لحاظ سے مجھ پر زیادہ ہے۔''

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((ما نفعني مال كمانفعني مال ابی بكر))

(کنز العمال ج۔٦ صفحہ۔٣١٢)

ترجمہ: ''ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال کے علاوہ کوئی مال میرے لیے اتنا مفید ثابت نہیں ہوا۔''

جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو دوسرے دن کپڑے کی گٹھری کندھوں پر اٹھائے اسے فروخت کرنے نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو کہا کہ ''اب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلمانوں کے کاموں پر توجہ دینا چاہیے۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ''پھر بچوں کو کہاں سے کھلاؤں؟'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ ''چلو ابو عبیدہ بن ابی الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلتے ہیں (ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اس وقت بیت المال کے خزانچی تھے)'' چنانچہ تینوں صحابہ نے مل کر خلیفۃ المسلمین کا وظیفہ مقرر کیا وہ ایک متوسط درجہ کے فرد کے اخراجات کا تخمینہ لگا کر چار ہزار درہم سالانہ طے کیا گیا۔

خلیفہ بننے کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمدنی تو یہی وظیفہ تھا جبکہ انفاق فی سبیل اللہ کی عادت پہلے سے موجود تھی۔ جب کوئی حاجت مند آتا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دینے کو کچھ نہ ہوتا تو بیت المال سے قرض لے کر حاجت مند کو دے دیتے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو سالہ دور خلافت میں آپ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے پاس دینے کو کچھ نہ ہوتا تو بیت المال سے قرض لے کر حاجت مند کو دے دیتے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو سالہ دور خلافت میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام اس طرح کا چھ ہزار درہم قرضہ ہو گیا تھا۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے صاحبزادے کو بلا کر فرمایا کہ میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کے چھ ہزار روپے ادا کئے جائیں (طبقات ابن سعد ج ۳) اور مکان بیچ کر آٹھ ہزار درہم کی وہ رقم جو میں نے دو سال کے دوران بیت المال سے بطور وظیفہ لی ہے وہ بھی واپس کر دی جائے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ " ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا۔"(۱) (کنز العمال ج ۲)

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔ مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ اسلام لانے کے بعد بھی کافی عرصہ یہی کیفیت رہی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جاگیر بھی عطا فرمائی تھی۔ دور نبوی ﷺ کی فتوحات نے مسلمانوں میں کسی حد تک آسودگی پیدا کر دی تھی یعنی گزر بسر آرام سے ہو جاتی تھی۔ یہی صورت حال آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی تھی۔ غزوۂ تبوک کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالی حالت نسبتاً بہتر تھی لہٰذا دل میں خیال آیا کہ آج ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر چندہ دوں گا۔ گھر گئے اور تمام مال اور اثاث البیت کا نصف لے کر رسول اللہ ﷺ

۱۔ واضح رہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے وفات سے پیشتر حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔

کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھوڑا سا سامان لے کر آ پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا کچھ لائے تو عرض کیا "یارسول اللہ! جو کچھ بھی گھر میں موجود تھا اس کا آدھا لے آیا ہوں آدھا گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا لائے؟ انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! گھر کا سارے کا سارا سامان اور مال لے آیا ہوں۔ گھر میں صرف اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا نام چھوڑ آیا ہوں۔" اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دن بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بازی لے گئے۔

جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو بیت المال سے صرف ۲ درہم روزانہ وظیفہ لینا شروع کیا جس سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزارہ نہایت تنگی سے ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وظیفہ مقرر کرنے والی تین اشخاص پر مشتمل کمیٹی تھی جس نے ایک متوسط گھرانے کے خرچ کے مطابق وظیفہ مقرر کیا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا وظیفہ خود مقرر کیا اور سوسائٹی کے ایک غریب ترین آدمی کے مطابق یہ وظیفہ مقرر کیا (یعنی صرف سات سو تیس درہم سالانہ یا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وظیفہ کا تقریبا چھٹا حصہ) جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زیادہ وظیفہ لینے کے متعلق کہا جاتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما دیتے کہ "مسلمانوں کے مال میں میرا اتنا ہی حق ہے جتنا یتیم کے مال میں ولی کا ہوتا ہے۔"

(کنز العمال ج.۲. صفحہ ۳۳۰)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت میں چار گنا

اضافہ ہوا۔ بے شمار فتوحات ہوئیں اور کثیر مقدار میں اموال بیت المال میں جمع ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اہل مدینہ کے وظائف مقرر کیئے اور ہر شخص کی اسلامی خدمات کا لحاظ رکھ کر اس کا وظیفہ متعین کیا گیا۔ شرکائے بدر صحابہ کا سالانہ وظیفہ(۱) پانچ ہزار درہم سالانہ تھا۔ اسی ضمن میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی جب یہ وظیفہ ملنا شروع ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے پہلا ملنے والا وظیفہ چھوڑ دیا۔ **(فتوح البلدان)**

زہد، قناعت اور سادگی کچھ اس طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طبیعت مس رچ بس گئی تھی کہ بیت المقدس کی فتح کے سلسلہ میں جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں جانا پڑا تو آپ کے کرتے میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے اور جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام اونٹ پر سوار اور آپ اونٹ کی نکیل تھامے آگے آگے پیدل چل رہے تھے۔ خیبر میں جو زمین آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئی تھی وہ بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کے لیے وقف کر دی تھی۔ پھر جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی تو ترکہ کے بجائے قرضہ چھوڑا تھا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا کیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا "دیکھو، مجھ پر کس قدر قرض ہے؟" حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم یا اس کے لگ بھگ قرضہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اگر اس

۱۔ بخاری۔ کتاب المغازی ان وظائف کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

قرض کے لیے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کا مال کافی ہو جائے تو ان ہی کے مال سے قرضہ ادا کر دینا ورنہ پھر بنو عدی بن کعب سے سوال کرنا۔ اگر ان کے مال بھی کافی نہ ہوں تو پھر قریش سے طلب کرنا۔ ان کے علاوہ کسی سے سوال نہ کرنا۔ اس قرض کو میری طرف سے ادا کر دینا۔'' (بخاری۔ کتاب المناقب۔ **باب قصة البيعة......**)

۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۴۰ھ)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابو طالب غریب بھی تھے اور کثیر الاولاد بھی۔ بچپن ہی سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرورش کا ذمہ رسول اللہ ﷺ نے لے لیا تھا۔ بعثت نبوی ﷺ کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر صرف ۸ سال تھی۔ اسی عمر میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے اور تنگی ترشی میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔ ۲ھ میں جب آپ کی شادی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حق مہر کے لیے بھی کچھ رقم موجود نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے کہنے کے مطابق آپ حق مہر کی ادائیگی کے لیے اپنی زرہ بیچنے کے لیے نکلے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ زرہ چار سو درہم میں خرید لی۔ بعد ازاں زرہ بھی واپس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دی۔ اسی چار سو درہم کی رقم میں سے کچھ رقم تو رسول اللہ ﷺ نے نئے گھر کے اثاث البیت کے سلسلہ میں خرچ کی، کیونکہ ابھی تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہتے تھے اور اب علیٰحدہ گھر کی ضرورت تھی۔ اور باقی رقم حق مہر کے طور پر ادا کی گئی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت نامساعد حالات میں خلیفہ بننا پڑا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بننے کی آرزو رکھتے تھے اس وقت تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ آرزو بر نہ آئی اور جن حالات میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بننا قطعاً گوارا نہ تھا ان حالات میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بننے پر مجبور کر دیا گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سارا دور خلافت مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے انتہائی بے چینی اور پریشانی میں گزرا۔ زہد و قناعت آپ کی طبیعت میں جس طرح رچا ہوا تھا اس کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ گروہ صوفیہ کے تمام سلسلے اپنا شجرۂ نسب آپ سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۴۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ)

آپ رحمہ اللہ کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے نیز آپ کو عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ رحمہ اللہ نے ایک بار پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کی یاد تازہ کر دی تھی۔ آپ رحمہ اللہ بطور ولی عہد خلیفہ نامزد ہوئے تھے کیونکہ بنو امیہ میں موروثی خلافت رائج ہو چکی تھی۔ یہ بات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت ناپسند تھی لہٰذا آپ رحمہ اللہ نے برسر اقتدار آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ لوگوں کے اجتماعِ عام میں اعلان کر دیا کہ ''میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں آپ لوگ جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر سکتے ہیں۔'' اس اعلان پر لوگوں نے بالاتفاق آپ رحمہ اللہ ہی کو خلیفہ منتخب کر لیا کیونکہ آپ رحمہ اللہ بہت بڑے عالم اور بلند کردار کے حامل تھے۔

خلافت سے پہلے آپ رحمہ اللہ ہر روز نیا اور قیمتی جوڑا تبدیل کرتے اور

نہایت اعلیٰ گھوڑوں پر سواری کرتے تھے۔ خلیفہ بنتے ہی ایسا تمام سامان عیش وعشرت بیت المال میں جمع کرا دیا اور خود سادگی سے زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی۔ آپ رحمہ اللہ کی ناز ونعمت میں پلی ہوئی بیوی کے گلے میں سونے کا ایک قیمتی ہار تھا۔ ان سے فرمایا کہ ''اگر یہ ہار مجھ سے زیادہ عزیز ہے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ اور اگر اس ہار سے میری رفاقت زیادہ عزیز ہے تو اس ہار کو بیت المال میں جمع کرانا ہوگا۔'' وفا شعار بیوی نے امہات المومنین کا سا کردار ادا کیا اور اپنے نیک شوہر کی رفاقت کو پسند کر کے نہایت سادگی سے زندگی بسر کرنے لگیں۔ آپ بیت المال سے صرف اتنا وظیفہ لیتے تھے جس سے بہ مشکل گزر بسر ہو سکے۔ آپ رحمہ اللہ کے زہد وقناعت کے واقعات سے تاریخ بھری ہے جن کا اس مختصر کتاب میں درج کرنا محال ہے۔

تیسرا کارنامہ آپ رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ آپ رحمہ اللہ کے خاندان والوں نے جو جاگیریں شاہی خاندان ہونے کی بنا پر ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی تھیں' آپ رحمہ اللہ نے وہ سب خاندان والوں سے چھین کر دوبارہ بیت المال کو واپس کر دیں۔ ان واپس ہونے والی جاگیروں میں آپ رحمہ اللہ کی ذاتی جاگیر بھی تھی اور چوتھا کام آپ رحمہ اللہ نے یہ کیا کہ ایسے تمام مسرفانہ امور کو ممنوع قرار دے دیا جن میں آپ رحمہ اللہ کا شاہی خاندان مبتلا ہو چکا تھا۔ گویا آپ رحمہ اللہ نے مال و دولت کو ترک کر کے زہد وقناعت وسادگی کو خود ہی نہیں اپنایا بلکہ اپنے تمام شاہی خاندان کو بھی ایسی ہی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا اور یہی باتیں بالآخر آپ رحمہ اللہ کی جان لیوا ثابت ہوئیں۔ آپ رحمہ اللہ کے اہل خاندان نے سازش سے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا جس کی وجہ سے مسند خلافت پر صرف اڑھائی سال متمکن رہنے کے بعد ۱۰۱ھ میں

اپنے پروردگار حقیقی سے جا ملے۔

تعامل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اسوۂ حسنہ، امہات المومنین اور خلفائے راشدین کی سیرت کے بعد اب عام صحابہ کرام کی طرف نگاہ دوڑائیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں صرف ایک فیصد ایسے حضرات تھے جنہیں دولت مند کہا جا سکتا ہے۔ جبکہ صحابہ کی اکثریت یا تو غریب تھی یا ایسے لوگ تھے جنہوں نے وسائل موجود ہونے کے باوجود فقر، زہد و قناعت اور سادگی کو تعیّشانہ زندگی پر ترجیح تھی اور اپنے پاس فاضلہ دولت رکھنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ایسے طبقہ کے سرخیل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ م ۳۲ھ:

اسلام لانے سے پیشتر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیشہ رہزنی تھا۔ آغاز اسلام میں ہی دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور سختیاں برداشت کیں اور ساری زندگی آپ ﷺ کے ساتھ رہے اور مشاہدہ کرتے رہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مال و دولت آتا تو آپ سب کچھ ہی دے دِلا کر فارغ ہو جاتے تھے۔ پھر ایک دفعہ شام سے تھوڑا پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے کہ احد پہاڑ نظر آیا جسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اے ابوذر! اگر اس پہاڑ کے برابر بھی سونا میرے پاس ہو تو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ تین دن تک میرے پاس اس میں سے ایک اشرفی بھی رہ جائے اِلّا یہ کہ مجھ پر کسی کا قرض ہو۔''

(بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب...... مثل احد ذھباً)

چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پر رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ زہد وقناعت والا پہلو خاص طور پر اثر انداز ہوا تھا۔یہی وجہ تھی کہ ایک دفعہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یعنی دور عثمانی کے آخر میں) فاضلہ دولت کے حرام ہونے کا فتویٰ دے دیا۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ زکوٰۃ چالیسواں حصہ نہیں بلکہ چالیس حصے ہی زکوٰۃ ہے۔

ہم پہلے تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیہ اکتناز کے حکم کو عام سمجھتے تھے اور احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مال و دولت رکھنے والوں کو ڈانٹا بھی تھا اور وعید بھی سنائی تھی۔دور عثمانی کے آخر میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مہم تیز کر دی تھی۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں مقیم تھے جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فتویٰ دیا تو اس فتویٰ نے لوگوں میں ہل چل پیدا کر دی اور بہت سے لوگ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرد جمع ہونے لگے۔رفتہ رفتہ یہ معاملہ گورنر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچا۔امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ہاں طلب کیا۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت اکتناز کو بنیاد بنا کر اپنا فتویٰ دہرایا جس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ آیت مسلمانوں کے حق میں نہیں کیونکہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد مال پاک ہو جاتا ہے لہٰذا اس آیت کا اطلاق مسلمانوں پر نہیں بلکہ اہل کتاب پر ہوتا ہے''۔جس کے جواب میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کہتے تھے'' کہ اس آیت کا اطلاق مسلمانوں پر بھی ویسے ہی ہے جیسے اہل کتاب پر، خواہ وہ زکوٰۃ ادا کر بھی دیں۔''

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس دعویٰ کا امتحان کرنا چاہتے تھے کہ یہ درویش صفت صحابی جو بات کہتا ہے آیا خود بھی اس کا پابند ہے یا صرف ''ہتھ نہ پہنچے تھوہ کوڑی'' والا معاملہ ہے؟ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قاصد کے ہاتھ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہزار دینار کی تھیلی بطور نذرانہ بھیجی۔ دوسرے دن اسی قاصد کو ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں بھیج کر پیغام دیا کہ ''کل جو نذرانہ کی تھیلی میں نے قاصد کے ہاتھ بھیجی تھی وہ دینی تو کسی اور کو تھی لیکن وہ غلطی سے آپ کو دے گیا ہے۔ لہٰذا وہ واپس کر دیجئے'' حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ایک دن کے عرصہ میں ساری تھیلی فی سبیل اللہ تقسیم کر چکے تھے، کہنے لگے'' وہ تو میں خرچ کر چکا۔ اب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے مہلت دیں تو میں یہ رقم ادا کر دوں گا''

جب ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امتحان میں بھی پورے اترے تو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورت حال سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مطلع کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہاں میرے پاس مدینہ منورہ بھیج دیا جائے۔ مدینہ پہنچ کر بھی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدستور یہی فتویٰ دینے لگے اور یہاں بھی لوگ ان کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے اور اس اختلافی مسئلہ میں کچھ کمی واقع نہ ہوئی تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مدینہ کے مضافات میں کسی آبادی میں چلے جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ حضرت ابوذر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کے قریب ایک غیر معروف سے مقام ربذہ میں منتقل ہو گئے جہاں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقیہ عمر گوشۂ عزلت اور کسمپرسی کی حالت میں گزار دی۔ اسی صورت حال کو امام بخاری رحمہ اللہ نے مختصراً یوں روایت کیا ہے۔

((عَنْ زَيْدِ بنِ وَهْبٍ قَالَ مَرَرْتُ عَلٰى اَبِي ذَرٍّ بِالرَّبْذَةِ فَقُلْتُ مَا اَنْزَلَكَ بِهٰذِهِ الْاَرْضِ؟ قَالَ: كُنَّا بِالشَّامِ فَقَرَاْتُ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ قَالَ مُعَاوِيَةُ: مَا هٰذِهِ فِيْنَا مَا هٰذِهِ اِلَّا فِيْ اَهْلِ الْكِتٰبِ قَالَ قُلْتُ اِنَّهَا لَفِيْنَا وَفِيْهِمْ)) (بخاری کتاب التفسیر زیر آیۃ متعلقہ)

ترجمہ: ''زید بن وہب کہتے ہیں کہ میں ربذہ (مدینہ کے قریب ایک مقام ہے) میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (غفاری) کے پاس سے گزرا اور کہا: ''تم یہاں کیسے آ پہنچے؟'' حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم شام میں تھے (مجھ میں اور وہاں کے حاکم میں جھگڑا ہو گیا) میں نے یہ آیت پڑھی ﴿ والذین یکنزون الذهب...... ﴾ تو معاویہ کہنے لگے کہ یہ آیت ہم مسلمانوں کے حق میں نہیں ہے بلکہ یہ تو اہل کتاب کے لیے ہے۔ میں نے کہا نہیں یہ آیت (عام ہے) ہم کو اور ان کو سب کو شامل ہے۔''

اسی کس مپرسی کے عالم میں اسی مقام پر آپ کی وفات ہوئی تو تجہیز و تکفین کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے پڑھانے والے کوئی بھی موجود نہ تھے۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا ادھر سے گزر ہوا جو حج کے سلسلہ میں جا رہے تھے۔ انہیں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا علم ہوا

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی تدفین کا انتظام بھی کیا اور نماز جنازہ بھی پڑھائی۔

نتائج:

ان تمام تر تصریحات سے جو نتائج سامنے آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ فاضلہ دولت (ترکہ) کو قرآن نے خود ''خیر'' کہا ہے لہٰذا فاضلہ دولت کے جواز میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

۲۔ مال و دولت اسی وقت تک خیر ہے جب کہ اسے جائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشا کے مطابق خرچ کیا جائے جو یہ ہے کہ فاضلہ دولت کو کھلے دل سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو مال و دولت فتنہ اور بلائے جان ثابت ہوتا ہے۔ دولت مند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ''خیر'' کو خیر کے مقام پر ہی رکھا۔ مال و دولت کی محبت نے ان کے دلوں میں گھر نہیں کیا لیکن بعد میں یہ صورت حال نہ رہی جیسا کہ ایک مشہور صحابی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا:

((اِنَّ اصحابنا الذين سَلَفُوْا وَمَضَوْا وَلَمْ تَنْقُصهُمُ الدنيا بشئی وانا اَصَبْنَا مالًا نجدله موضعاً اِلاالتُّراب ولولا ان النبی ﷺ نهانا ان ندعوا بالموت لدعوتُ به.))

(بخاری۔ کتاب المرضیٰ۔ باب تمنی المريض الموت.)

ترجمہ: ''ہمارے ساتھی دنیا سے رخصت ہوگئے اور دنیا ان کا کچھ بگاڑ نہ سکی اور ہم نے دنیا سے مال و دولت پائی کہ ہمیں اسے مٹی میں صرف کرنے (یعنی مکان بنانے) کے سوا مصرف نظر نہیں آتا اور اگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں موت کی دعا کرتا۔''

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ دورِ نبوی ﷺ میں مال و دولت کی فراوانی نہ تھی۔ یہ فراوانی یا افراطِ زر دورِ عثمانی میں پیدا ہوئی اور دوسرے یہ کہ دورِ نبوی ﷺ میں دولت کی قلت کے باوجود انفاق فی سبیل اللہ کا رجحان زیادہ تھا لیکن جب دولت زیادہ ہوگئی تو خود غرضی بھی بڑھ گئی اور اس دولت کا بیشتر حصہ اپنی ذاتی ضروریات پر ہی خرچ کرنے کا رجحان بڑھ گیا۔

۳۔ فاضلہ دولت سے اگر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو یہ حرام اور جہنم میں لے جانے والی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے پر فاضلہ دولت کا جواز ثابت ہو جاتا ہے مگر یہ خیر اسی وقت ہوگی جب کہ اسے کھلے دل سے خرچ کیا جائے۔

۴۔ فاضلہ دولت ساری کی ساری خرچ کر دینا بہترین عمل ہے اور یہی چیز اسوۂ حسنہ سے ثابت ہوتی ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی زکوٰۃ ادا کرنا ہی نہ پڑی۔ اکثر خلفاء اور اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مال و دولت کے بجائے اختیاری فقر و فاقہ، قناعت اور زہد کو پسند فرمایا۔

۵۔ آج کا مسلمان جواز کی سطح تک نیچے اتر آیا۔ منشائے خداوندی ہرگز یہ نہیں کہ جملہ مسلمان اسی سطح پر قناعت کر جائیں اور اوپر اٹھنے کا نام تک نہ لیں جیسا کہ

مسلمانوں کی اکثریت کا یہی حال ہے الا ماشاءاللہ۔

اب یہاں ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے جو یہ کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا یہ مسلک دور صدیقی یا دور فاروقی میں کھل کر کیوں پیش نہ کیا۔ دور عثمانی میں اس مسلک کی کیا اور کیوں ضرورت پیش آ گئی۔ اور اس شدت سے پیش آئی کہ آپ نے جلا وطن ہونا گوارا کر لیا۔ مگر اپنی بات میں لچک پیدا نہیں کی؟ اس سوال کا مجمل جواب تو پہلے آ ہی چکا ہے۔ اب ذرا تفصیل سے عرض کروں گا۔

میں پہلے بتا چکا ہوں کے شریعت کے احکام بعض دفعہ کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں اور بعض دفعہ حالات کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کے احکام کا بھی یہی حال ہے کہ حالات کے مطابق ان میں نرمی اور شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ دور نبوی ﷺ میں دولت کی فراوانی نہیں تھی اور دولت کی کمی کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی تربیت کی وجہ سے انفاق فی سبیل اللہ کا رجحان بہت بڑھا ہوا تھا اور باہمی اخوت محبت اور ایثار و مروت کا رجحان فروغ پا رہا تھا۔ آئندہ ذکر ہونے والی احادیث اس دور میں مسلمانوں کی معاشی صورت حال پر پوری طرح روشنی ڈالتی ہیں۔

دور نبوی ﷺ میں معیشت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ''میں پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا اور ہم نے اپنے تئیں اس وقت جہاد کرتے پایا جب ہم کو سوا حبلہ اور سمر (دو کانٹے دار درخت) کے پتوں کے اور کوئی خوراک نہ ملتی۔ ہم

لوگوں کو اس وقت بکری کی طرح سوکھی مینگنیاں آیا کرتیں جن میں تری نام کو نہ ہوتی تھی''۔

(بخاری۔کتاب الرقاق۔ باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہم میں سے ہر ایک شخص کو ایک ایک کھجور ملتی تھی۔ وہ اس کو چوستا اور اپنے دانتوں میں پھراتا اور ہم اپنی کمانوں سے درخت کے پتے جھاڑتے اور ان کو کھاتے یہاں تک کہ ہمارے جبڑے زخمی ہو گئے۔ ایک دن کھجوریں بانٹنے والا ہم میں سے ایک شخص کو بھول گیا۔ہم اس شخص کو ساتھ لے گئے اور گواہی دی کہ اس شخص کو کھجور نہیں ملی۔تب کہیں اس کو وہ کھجور ملی''۔

(مسلم۔کتاب الزھد۔باب قصۃ ابی الیسر......)

۳۔ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں کہ:۔

''میری قوم والوں نے دیکھا تو مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن یاد نہ تھا۔آخر انہوں نے مجھ ہی کو امام بنایا۔ اس وقت میری عمر چھ سات برس کی تھی۔اس وقت میرے تن پر صرف ایک چادر تھی۔وہ بھی اتنی چھوٹی کہ جب میں سجدہ کرتا تو سمٹ جاتی۔ہماری قوم کی ایک عورت لوگوں سے کہنے لگیں۔''اپنے امام کے چوتڑ تو ڈھانکو''۔چنانچہ انہوں نے میرے لیے ایک قمیض بنوائی جس سے میں اتنا خوش ہوا کہ اتنا اور کسی چیز سے نہیں ہوا''۔

(بخاری۔کتاب المغازی۔باب مقام النبی بمکۃ ذمن الفتح)

۴۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ:۔

''ہم چھ آدمی ایک لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ہم چھ آدمیوں کے لیے ایک ہی اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوا کرتے۔آخر (چلتے چلتے) ہمارے پاؤں پھٹ گئے اور میرے پاؤں تو پھٹ کر ناخن بھی گر پڑے۔آخر ہم نے اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹ لیے۔اسی وجہ سے اس لڑائی کا نام ہی غزوہ ذات الرقاع (چیتھڑوں والی لڑائی) پڑ گیا تھا۔''

(بخاری۔کتاب المغازی۔باب غزوہ ذات الرقاع)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر (۷۰) آدمی ایسے دیکھے جن کے پاس چادر تک نہ تھی۔یا تو فقط تہبند تھا یا فقط کمبل جس کو انہوں نے گردن سے باندھ لیا تھا جو بعض کو تو نصف پنڈلیوں تک پہنچتا اور بعض کو ٹخنوں تک اور وہ اس کو ہاتھ سے سمیٹتے رہتے اس ڈر سے کہ کہیں ان کا ستر نہ کھل جائے''۔

(بخاری۔کتاب الصلوٰۃ۔باب نوم الرجال فی المسجد)

۶۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عاص سے فقراء المہاجرین میں سے کسی نے سوال کیا۔حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا ''تیری بیوی ہے؟'' کہنے لگا۔''ہاں ہے'' پھر پوچھا ''رہنے کو گھر ہے۔'' وہ بولا ''ہاں'' حضرت عبد اللہ کہنے لگے ''تو پھر تو اغنیاء میں سے ہے''۔ وہ کہنے لگا ''میرے پاس تو ایک خادم بھی ہے۔'' یہ سن کر حضرت عبداللہ کہنے لگے ((فانت من الملوك)) ''پھر تو تو بادشاہوں سے ہے۔'' (مسلم۔کتاب الزھد)

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جنگ خیبر کے بعد مسلمانوں کی معیشت میں تبدیلی آ گئی تھی اور وہ کسی حد تک آسودہ حال ہو گئے تھے۔ بعد کے ادوار میں اس آسودگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا تاہم صحابہ کرام اس آسودگی میں بھی اپنے تنگی کے وقت کو بھولے نہیں بلکہ وہ اسے فخر سے بیان کرتے تھے۔ چنانچہ:

۱۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے دو کتان کے رنگ دار کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اسی کتان کے کپڑے میں انہوں نے ناک صاف کی۔ پھر خود ہی کہنے لگے ''واہ واہ ابو ہریرہ! اب کتان کے کپڑے سے ناک صاف کرتا ہے حالانکہ ایک وقت تھا جب میں منبر نبوی ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے درمیان بیہوش پڑا رہتا تھا۔ لوگ میری گردن پر پاؤں رکھ دیتے اور مجھے دیوانہ سمجھتے۔ حالانکہ میں دیوانہ نہ تھا بلکہ بھوک کی وجہ سے میرا یہ حال ہو جاتا تھا''۔

(بخاری کتاب الاعتصام۔ باب حض علیٰ انفاق اهل العلم......)

۲۔ محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تہبند میں نماز پڑھی جس کو اپنی گدی پر باندھ لیا تھا جبکہ ان کے کپڑے تپائی پر رکھے ہوئے تھے۔ کسی نے ان سے کہا (تم کپڑے ہوتے ہوئے) صرف ایک تہبند میں نماز پڑھتے ہو؟'' حضرت جابر کہنے لگے ''ہاں! تا کہ تجھ سا احمق مجھے دیکھے اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے؟''

(بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب عقد الازار علی القفا)

۳۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ ہمیں خیرات کا حکم دیتے تھے تو اس وقت ہماری یہ حالت تھی کہ کوئی ہم میں سے مزدوری کر کے ایک مُدّ (اناج یا کھجور) لے آتا اور آج تو ہم میں ایسے بھی ہیں جن کے پاس لاکھ درہم موجود ہیں۔ اس سے ان کا اشارہ اپنی ذات کی طرف تھا۔

(بخاری کتاب التفسیر باب قوله الذین یلمزون المطوعین......)

آسودگی کا دور

مسلمانوں میں آسودگی کا آغاز فتح خیبر سے شروع ہوا جو بتدریج بڑھتا رہا تا آنکہ دور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخر تک مسلم معاشرہ کی حالت میں کافی تبدیلی آ گئی جس کی مندرجہ ذیل دو وجوہ تھیں۔

ا۔ افراط زر:

دور فاروقی میں بہت زیادہ فتوحات ہوئیں اور اطراف واکناف سے جزیہ اور انفال کی رقوم کثیر مقدار میں مدینہ پہنچنے لگیں اور یہ مقدار اس قدر زیادہ تھی کہ مسلمانوں کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحرین کے گورنر تھے۔ وہ وہاں سے پانچ لاکھ درہم جزیہ کی رقم لیکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے وہ خود روایت کرتے ہیں کہ: ''میں نے کہا امیر المؤمنین! یہ جزیہ کا مال حاضر ہے''۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ''کتنا مال ہے؟'' میں نے کہا ''پانچ لاکھ درہم'' کہنے لگے ''جانتے ہو پانچ لاکھ کتنا ہوتا ہے؟'' میں نے کہا ''سو ہزار، سو ہزار پانچ بار'' مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ تم عالم غنودگی میں ہو۔ اب آرام کرو کل صبح آنا۔'' میں دوسرے دن گیا تو پھر وہی سوال کیا اور میں نے بھی

وہی جواب دیا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''لوگو! ہمارے پاس بہت سا مال آ گیا۔ اب اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ماپ ماپ کر دیں، چاہو تو گن گن کے دیں اور چاہو تو وزن کر کے دیں۔'' اس پر لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا'' امیر المؤمنین! اس کام کے لیے ایک باقاعدہ رجسٹر مرتب کر لیجئے جس کے اندراج کے مطابق لوگوں کو رقوم دیدی جایا کریں۔'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس شخص کی یہ بات بہت پسند آئی اور آپ نے ایسا ہی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ (۱)

یہ روایت اس وقت کے معیار فراوانی کا پتہ دیتی ہے جبکہ پانچ لاکھ درہم کی رقم کو ایک ایسا خواب سمجھا جاتا تھا جسے صرف سونے والے یا ایسے اشخاص ہی بیان کر سکتے ہوں جن پر غنودگی کا عالم طاری ہو۔ آگے چل کر بڑی بڑی فتوحات نے صورتحال کو اور بھی زیادہ بدل دیا جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

''میں ایک بار سو رہا تھا۔ اتنے میں زمین کے خزانوں کی کنجیاں لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں''۔ (اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ تو دنیا سے تشریف لے گئے اور تم یہ خزانے نکال رہے ہو۔'')

(بخاری۔ کتاب الجہاد والسیر۔ باب...... نصرت بالرعب......)

اب دیکھئے افراط زر کا لازمی نتیجہ اشیائے ضرورت کی گرانی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ گرانی کس حد تک پہنچ چکی تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غابہ میں زمین کا ایک ٹکڑا ایک لاکھ ستر

۱۔ اسلام میں عدل اجتماعی سید قطب شہید۔ ترجمہ اردو نجات اللہ صدیقی صفحہ نمبر ۴۷

ہزار درہم میں خریدا۔ آپ ۳۲ھ میں جنگ جمل میں شہید ہو گئے تو آپ کے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی وصیت کے مطابق یہ زمین بیچ دی۔ اس زمین کا بڑا حصہ سولہ لاکھ میں' ایک چھوٹا ٹکڑا چار لاکھ میں اور باقی ساڑھے چار لاکھ یعنی اس زمین کی مجموعی رقم ساڑھے چوبیس لاکھ وصول ہوئی۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد والسیر ۔باب برکۃ الغازی فی مَالِہ......)

اگرچہ ٹھیک طور پر معلوم کرنا مشکل ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین کا یہ ٹکڑا کس سن ہجری میں خریدا تھا تاہم یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ دور فاروقی میں خریدا گیا ہوگا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو بسلسلہ مواخات انصار کے نخلستان میں نصف پیداوار پر کام کیا، جب خیبر فتح ہوا تو اس علاقہ کی آدھی زمین جو بزور شمشیر فتح ہوئی تھی مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی باقی آدھی زمین قومی ملکیت میں آ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی زمین میں سے بعض ضرورت مند مہاجرین کو جاگیریں عطا فرمائیں اور انصار کو ان کے نخلستان واپس کر دیے گئے۔ یہی جاگیریں دور عثمانی میں لاکھوں کی قیمت تک جا پہنچی تھیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسی موقعہ پر جاگیر عطا فرمائی تھی اور آپ صرف حاجت مندوں کو ہی دیا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ۷ھ تک حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ اس دور کے بعد ایسی فتوحات وغنائم، جنہوں نے مسلمانوں کی معاشیات میں فراوانی پیدا کی، ہمیں عہد فاروقی میں ہی نظر آتی ہیں۔ لہٰذا اس دور میں ہی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غابہ کی زمین کی اتنی قیمت (ایک لاکھ ستر ہزار درہم) ادا کرنے کے قابل ہو سکتے تھے۔ جو

۳۶ھ میں ساڑھے چوبیس لاکھ میں فروخت ہوئی۔ بالفاظ دیگر بیس سال کی قلیل مدت میں زمین کی قیمت پندرہ گنا بڑھ گئی تھی۔

افراط زر گرانی پیدا کرتی ہے اور گرانی افراط زر میں مزید اضافہ کا باعث بنتی ہے پھر یہی دولت کی ریل پیل خودغرضی پیدا کرتی، جذبہ ایثار کو فنا کرتی اور اسلام کی اعلیٰ روحانی اقدار کو جس طرح غارت کرتی ہے۔ اسی کو سامنے رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔

''خدا کی قسم! مجھ کو تمہاری محتاجی کا کچھ ڈر نہیں ہے بلکہ مجھ کو تو یہ ڈر ہے کہ تم پر سامان زیست کی فراوانی ہو جائے اور تم دنیا کے پیچھے پڑ جاؤ اور آخرت سے یوں غافل ہو جاؤ جیسے تم سے پہلے لوگ ہوئے تھے''۔

(بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب ما یحذر ......)

۲۔ دولت کی نامناسب تقسیم کی وجہ سے طبقاتی تقسیم:

دوسری بات جس نے مسلمانوں کی معاشیات کو دگرگوں کرنے میں موثر کردار ادا کیا وہ عطایا کی نامناسب تقسیم ہے۔ صدقات کی تقسیم میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ دو باتوں کو ملحوظ رکھا۔ کسی کی احتیاج و ضرورت اور تالیف قلوب۔ آپ ﷺ ان دونوں امور کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ بعض بدبختوں نے آپ ﷺ کی اس پالیسی پر اعتراض بھی کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ‌ ﴾ (۵۸:۹)

ترجمہ:''اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو (تقسیم) صدقات میں آپ ﷺ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔''

منافقین نے یہ الزام تراشی اس وقت کی جب آپ ﷺ نے اقرع بن حابس اور عینیہ بن بدر کو محض تالیف قلوب کی خاطر کچھ رقم دی تھی ۔اب ضرورت مندوں کی ضرورت کو ملحوظ رکھنے کے سلسلہ میں بخاری کتاب الجہاد والسیر میں سے خمس خیبر کی تقسیم کے متعلق درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

((قال عمر بن عبد العزیز لم یعمهم بذٰلِكَ ولم یخص قریباً دُوْنَ مَنْ اَحْوَجَ اِلَیْهِ وَاِنْ کَانَ الَّذِیْ اَعْطیٰ لِمَا یَشْکُوْا اِلَیْهِ وَمِنَ الْحَاجَة))

(بخاری کتاب الجہاد والسیر .باب ومن الدلیل علیٰ ان الخمس)

ترجمہ:عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ مال خمس میں نہ تو سب رشتہ داروں کو شامل کرتے اور نہ ہی صرف قریبی رشتہ داروں کو خاص کرتے مگر جو کوئی ضرورت مند ہوتا اور آپ ﷺ صرف اسے دیتے جو حاجت مند ہوتا یا اپنی احتیاج کی آپ ﷺ کے ہاں شکایت کرتا۔''

اور ابوداؤد میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ :

''فے کے اموال میں سے آپ شادی شدہ کو دو حصے عطا فرماتے اور غیر شادی شدہ کو ایک۔چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (راوی) کو دو حصے دیئے کیونکہ میں شادی شدہ تھا اور عمار بن یاسر کو ایک ہی حصہ

دیا‘‘(۱)

(ابوداؤد۔ کتاب الخراج والفئی والامارۃ۔ باب فی قسم الفئی)

آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی پالیسی پر کاربند رہے البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سلسلہ میں مختلف رائے رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کو اس کی اسلامی خدمات اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری کی بنا پر وظائف دیے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت نے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی تائید کی کہ جن لوگوں نے اسلام کے سلسلہ میں پیش قدمی کی ہے ان کو حسب مراتب مقدم رکھا جائے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

۱۔ طبقاتی تقسیم اور اس کے اثرات کو روکنے کے لیے آپ ﷺ نے دوسرا اقدام یہ فرمایا کہ معاشرہ کا کوئی فرد اس کی عام معاشی سطح سے بالاتر ہونے اور اپنی دولت کا اظہار و نمائش کرنے کی کوشش نہ کرے۔ چنانچہ ابو داؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک گنبد دیکھا جو دوسری عمارتوں سے سر نکال رہا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا ’’یہ کس کا ہے؟‘‘ صحابہؓ نے ایک انصاری کا نام لیا۔ آپ ﷺ چپ ہو گئے مگر یہ بات دل میں رکھی۔ اس گنبد کے مالک نے جب آپ ﷺ کے سامنے آ کر سلام کیا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ آپ ﷺ نے کئی مرتبہ اس طرح کیا۔ یہاں تک کہ اس نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے غصہ کے آثار دیکھے تو صحابہؓ نے فرمایا ’’رسول اللہ ﷺ نے تیرے بلند و بالا گنبد کو دیکھا تو یہی بات آپ کو ناگوار گزری تھی۔‘‘ چنانچہ وہ انصاری اپنے گنبد کی طرف گیا اور اس کو گرا کر زمین بوس کر دیا۔ اس کے بعد پھر جب آپ ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ گنبد نظر نہ آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا ’’وہ گنبد کہاں گیا؟‘‘ صحابہ نے تمام ماجرا سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ’’خبردار! ہر عمارت قیامت کے دن اس کے مالک کے لیے عذاب کا سبب ہے مگر ایسی عمارت جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو‘‘۔ (ابو داؤد۔ بحوالہ مشکوٰۃ۔ کتاب الرقاق۔ دوسری فصل)

فرمایا کہ تم نے جس اولیت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے اس سے میں بخوبی واقف ہوں مگر یہ ایسی چیز ہے جس کا ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ یہ معاش کا معاملہ ہے۔ اس میں مساوات برتنا ترجیحی سلوک کرنے سے بہتر ہے اور اس مساوات کا مطلب یہ تھا کہ ہر شخص کو اس کی خدمات کا لحاظ رکھنے کے بجائے اس کی ضروریات کا لحاظ رکھ کر دیا جائے۔ اس مساوات پر عمل ہوتا رہا اور جیسے جیسے آمدنی بڑھتی گئی فراخی اور خوشحالی سارے مسلمانوں کو یکساں فیض یاب کرتی رہی تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب کا دور آیا وہ اب بھی اپنے مؤقف پر قائم تھے کہ ''جس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کی ہے اسے میں ان لوگوں کے مساوی کبھی قرار نہیں دے سکتا جو آپ کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں۔''

لہٰذا آپ نے اپنی پالیسی پر عمل کیا اور اہل مدینہ کے وظائف جس نسبت سے آپ نے مقرر کیے ان کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقرر کردہ وظائف

۱۔ ازواج مطہرات (بوجہ قرابت)	فی کس بارہ ہزار	درہم	سالانہ
۲۔ مہاجرین الاولین	فی کس پانچ ہزار	درہم	سالانہ
۳۔ انصار	فی کس تین ہزار	درہم	سالانہ
۴۔ بدری صحابہ (مہاجر یا انصار)	فی کس پانچ ہزار	درہم	سالانہ
۵۔ حبشہ کے مہاجر اور جنگ احد میں شریک	فی کس چار ہزار	درہم	سالانہ

۶۔حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ (بوجہ قرابت)	فی کس پانچ ہزار	درہم	سالانہ
۷۔مہاجر جنہوں نے فتح مکہ تک ہجرت کی	فی کس تین ہزار	درہم	سالانہ
۸۔اہل بدر کے لڑکے	فی کس دو ہزار	درہم	سالانہ
۹۔فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے	فی کس دو ہزار	درہم	سالانہ
۱۰۔مدینہ کے عام مقیم مسلمان	فی کس پچیس	دینار	سالانہ

اہل یمن اور شام کے لوگوں کے لیے بھی بلحاظ مراتب دو ہزار، ہزار، نو سو، پانچ سو اور تین سو کے عطایا مقرر کیے گئے تھے۔ تین سو سے کم کسی کو نہ ملتا تھا۔

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وظائف میں قرابت رسول ﷺ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ باقی تمام شقیں مراتب کے لحاظ سے وظائف کی کمی بیشی کو ظاہر کر رہی ہیں۔ پھر جہاں کہیں قرابت اور مراتب دونوں صفات مشترک ہو جاتیں تو وظیفہ کی تعیین میں اعتراض کی گنجائش بھی پیدا ہو جاتی بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت واضح طور پر نمایاں نہ ہوتی۔ مثلاً:

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن ابی سلمہ (یہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے تھے۔) کا وظیفہ چار ہزر درہم مقرر کیا تو عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن جحش نے، جن کا وظیفہ دو ہزار مقرر کیا گیا تھا' یہ اعتراض کر دیا کہ ہمارے باپوں نے ہجرت بھی کی تھی اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس بنا پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن ابی سلمہ کو ہم

سے زیادہ دے رہے ہیں تو اس کا جواب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیا کہ ''میں ان کو اس مقام کی بنا پر زیادہ دے رہا ہوں جو رسول اکرم ﷺ کے نزدیک انہیں حاصل تھا۔ جو شخص اس سلسلہ میں مجھ پر اعتراض کرتا ہے وہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی ماں لائے۔ میں اس کی بات مان لوں گا۔''

۲۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وظیفہ چار ہزر درہم مقرر کیا تو اس پر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعتراض کر دیا ''کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے لیے تین ہزار مقرر کیے اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یے چار ہزار۔ حالانکہ میں ایسے معرکوں میں بھی شریک رہا جن میں اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک نہ ہو سکے تھے۔'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو یہ وجہ بتائی کہ ''اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کو تم سے زیادہ محبوب تھا اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باپ بھی رسول اللہ ﷺ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبوب تھا۔''

مندرجہ بالا معلومات کا ماخذ اسلام میں عدل اجتماعی (مصنفہ سید قطب شہید) مترجم نجات اللہ صدیقی (صفحہ ۴۷۵، ۴۷۶) ہے۔ ان معلومات میں سے بعض کی تو بخاری سے بھی توثیق ہو جاتی ہے۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدری صحابہ کے لیے پانچ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا تھا۔

(بخاری۔ کتاب المغازی باب بلاعنوان)

اور بعض جگہ اختلاف کیا ہے۔ مثلاً بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین اولین کا وظیفہ پانچ ہزار کے بجائے چار ہزار درہم

مقرر کیا تھا۔

(بخاری۔کتاب المناقب. باب هجرة النبی و اصحابه الی المدينة)

اعتراض کی گنجائش کے دو واقعات تو اوپر مذکور ہوئے۔ بخاری میں ایک تیسرا واقعہ بھی مذکور ہے جو یہ ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین اولین کا وظیفہ تو چار ہزار درہم مقرر کیا مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساڑھے تین ہزار۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وظیفہ کیوں کم رکھا حالانکہ وہ بھی مہاجرین اولین میں سے ہیں۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت اس کے ماں باپ کے ذیل میں ہوئی تھی۔ وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتے جس نے اپنی ذات سے ہجرت کی''۔ (حوالہ ایضاً)

مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وظائف کے تعین میں اسلامی خدمات، رسول اللہ ﷺ سے قرابت اور محبت کو ملحوظ رکھا۔ اگرچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جذبہ قابل قدر اور نہایت نیک نیتی پر مبنی تھا مگر وظائف کی تقسیم میں کسی کی احتیاج کو ملحوظ رکھنا ہی وہ بہترین پالیسی تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا۔ مراتب و قرابت کے لحاظ سے وظائف کی تقسیم کے خطرناک نتائج جلد ہی سامنے آنے لگے مثلاً ایک طبقہ کی دولت کا بہت بڑھ جانا اور سال بہ سال منافع کے ذریعہ بڑھتے چلے جانا۔ اقتصادیات کی رو سے یہ ایک جانی پہچانی حقیقت ہے کہ نفع میں اضافہ راس المال کے اضافہ کے تناسب سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وہ نتائج تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں دیکھ لیا تھا اور قسم کھالی تھی کہ اگر وہ اگلے سال زندہ رہے تو سب کے وظائف برابر کر دیں گے اس موقعہ پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات کہی جو کافی مشہور ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رجوع:

((وَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْ بَرْتُ لَاَخَذْتُ مِنَ الْاَغْنِیَآءِ فُضُوْلَ اَمْوَالِهِمْ فَرَدَدْتُهَا عَلَی الْفُقَرَآءِ)) (۱)

ترجمہ: ''جو فیصلے میں پہلے کر چکا ہوں، انہیں اگر اب پھر سے کرنے کا موقعہ ملا تو میں اغنیاء سے فاضلہ دولت لے کر اسے حاجت مندوں میں تقسیم کر دوں گا۔''

ہم حیران ہیں کہ تقسیم صدقات کے سلسلہ میں، جو خالص معاشی قسم کا مسئلہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مدبر اور سیاسی بصیرت رکھنے والے شخص سے ایسی زبردست چوک کیونکر واقع ہوگئی۔ یہ وہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے بعض جلیل القدر صحابہ کرام کی شدید مخالفت کے باوجود عراق کی مفتوحہ زمینوں کو قومی ملکیت میں لے کر سب مسلمانوں کو اس دولت میں یکساں شریک بنا کر مساوات کا اصول قائم کیا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں یہ مفتوحہ زمینیں قومی ملکیت میں لینے کی مصلحتیں درج ذیل تھیں۔

۱۔ زمینوں کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ اگر انہیں مجاہدین، جن میں سے اکثر صحابی

۱۔ اسلام میں عدل اجتماعی۔ ترجمہ اردو نجات اللہ صدیقی۔ مصنفہ۔ سید قطب شہید صفحہ نمبر ۴۷۸

رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' میں تقسیم کرایا جائے تو یہ سب جاگیردار بن جائیں گے۔

۲۔ مجاہدین کی اکثریت جاگیرداری اور زراعت میں دل لگا کر جہاد فی سبیل اللہ سے غافل ہو جائیگی۔

۳۔ فتوحات سے حاصل شدہ دولت کا کثیر حصہ مجاہدین کے حصہ میں چلا گیا تو سرحدوں کی حفاظت کے اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے؟ نیز

۴۔ حکومت محتاجوں کی کفالت کیونکر کر سکے گی؟

اس موقعہ پر آپ نے کمال دانش مندی کا ثبوت دیا۔ اتفاق سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرآن سے دلیل بھی مل گئی تو آپ نے اس طبقاتی تقسیم کے فتنہ پر قابو پالیا جو آپ کو جاگیرداری کی شکل میں نظر آرہا تھا۔ صدقات کی اس ناہموار اور نامناسب تقسیم سے بھی ایسے نتائج کا سامنے آنا ابدی تھا مگر ان تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر نہ پہنچ سکی۔ اور جب نتائج سامنے آگئے اور اسلامی معاشرت کا توازن درہم برہم ہو گیا تب آپ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کا ارادہ کیا مگر افسوس کہ وفات نے آپ کو مہلت نہ دی آپ کی شہادت واقع ہو گئی اور آپ اپنے ان دو ارادوں کو پورا نہ کر سکے جنہیں وہ پورا کرنا چاہتے تھے۔ ان میں ایک یہ تھا کہ دولت مندوں سے فاضلہ دولت لے کر حاجت مندوں میں تقسیم کر دی جائے اور دوسرا یہ کہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں خدمات وقرابت کے بجائے احتیاج اور مساوات کے اصول کو ملحوظ رکھا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا۔ انہوں نے تقسیم صدقات کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاری

شدہ پالیسی کو بحال رکھا(۱) جس سے طبقاتی تقسیم مزید بڑھتی رہی۔ مزید برآں آپ کے دور میں مروان کے تصرفات شروع ہوئے جنہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گوارا کرتے جاتے تھے تو انہی نتائج نے فتنہ کا در کھول دیا۔ سب سے بڑا ستم یہ ہوا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش کو کھلی چھٹی دے دی کہ اپنے جمع کردہ سرمایہ کے ذریعہ زمین کے گوشے گوشے میں تجارت کرتے پھریں اور اس طرح اسے کئی گنا بڑھالیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے مال داروں کے لیے یہ بات بھی روا رکھی کہ سواد کے علاقہ یا دوسرے ممالک میں خوب عمارتیں اور زمینیں خریدیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے آخری زمانہ میں پورے اسلامی معاشرہ میں دولت کی تقسیم میں زبردست تفاوت پیدا ہو گیا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاضلہ دولت کی حرمت کا فتویٰ دیا۔ پھر اس فتویٰ کی بنا پر آپ کا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جھگڑا ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں بھی علی الاعلان یہی بات کہی۔ جلاوطنی کی صعوبتیں برداشت کیں مگر اپنے فتویٰ سے باز نہیں آئے حالانکہ فاضلہ دولت بعض صحابہ کے پاس دور نبوی ﷺ میں بھی تھی، دور صدیقی میں بھی اور دور فاروقی میں بھی لیکن اس وقت آپ نے کبھی ایسا فتویٰ نہ دیا جس سے واضح طور پر یہ بات سامنے آتی

۱۔ واضح رہے کہ اگرچہ معاشی پالیسی میں حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی پالیسی کے ہمنوا تھے۔ مگر حضرت عثمانؓ کے طویل دور خلافت میں طبقاتی تقسیم جس قدر معاشرے میں فروغ پا چکی تھی۔ اس پر حضرت علیؓ کنٹرول نہ کر سکے۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اپنے دورِ خلافت میں چین اور اطمینان کم ہی نصیب ہوا تھا۔

ہے کہ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی علی الاطلاق فاضلہ دولت کی حرمت کے قائل نہ تھے بلکہ اس حرمت کو حالات سے مشروط رکھتے تھے۔یعنی جب اسلامی معاشرہ میں طبقاتی تقسیم فروغ پانے لگے، مالدار زیادہ سے زیادہ دولت مند ہوتے جائیں اور نادار لوگ نادار تر بنتے جائیں' جاگیرداری اور سرمایہ داری بڑھ رہی ہو' لوگوں میں زکوٰۃ کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ ختم ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ کے مطابق فاضلہ دولت حرام ہو جاتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پالیسی کے مطابق حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر زکوٰۃ سے طبقاتی تقسیم ختم یا کم نہیں ہوتی تو ایسے اقدامات کرے جس سے فاضلہ دولت امراء کے ہاتھوں سے نکل کر حاجت مندوں تک پہنچ سکے۔

☆☆☆

TRUEMASLAK @ INBOX.COM

باب نمبر:۳

جاگیرداری اور مزارعت

فاضلہ دولت کی بحث میں جاگیرداری کا ذکر اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ فاضلہ دولت کی پیدائش کا ایک بنیادی عامل جاگیرداری بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن وجوہ کی بنا پر عراق کی مفتوحہ زمینوں کو قومی تحویل میں لیا تھا، ان کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔ ان وجوہ میں سے پہلی اور بنیادی وجہ یہی تھی کہ مجاہدین، جن میں سے اکثر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، کہیں جاگیردار ہی بن کے نہ رہ جائیں۔ پھر دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض صحابہ کو جاگیر عطا فرمائی تھی۔ پھر جاگیرداری سے ایک اور مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہے مزارعت، اور یہ مزارعت کے جواز اور عدمِ جواز کا مسئلہ فاضلہ دولت کے مسئلہ سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فاضلہ دولت کو ناجائز قرار دینے والے صرف دو صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے جبکہ مزارعت کو ناجائز کہنے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعداد زیادہ ہے۔ ہم جاگیرداری اور مزارعت کو لازم وملزوم تو نہیں کہہ سکتے تاہم یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر اسلام میں جاگیرداری ہی ناجائز ہو تو مزارعت کا مسئلہ کافی حد تک از خود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا پہلے جاگیرداری کا شرعی نقطہ نگاہ سے جائزہ لینا ضروری ہے۔

جاگیرداری:

جاگیرداری کی دو ہی معروف صورتیں ہو سکتی ہیں۔(۱)

۱۔ کہ کوئی شخص اپنی فاضلہ دولت سے زمین کے قطعات خرید لے اور

۲۔ حکومت کسی شخص کو کسی خدمت کے صلہ میں بطور عطیہ دیدے۔

ان دونوں قسموں کے احکام الگ الگ ہیں جو درج ذیل ہیں:

زرخرید زمین:

کوئی شخص اپنی فاضلہ دولت سے کتنی ہی زیادہ زمین خرید لے، اس پر عموماً جاگیر کے لفظ کا اطلاق نہیں کیا جاتا اسے جائیداد ہی کہتے ہیں اگرچہ ظاہراً ایسی جائیداد اور جاگیر میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص جائز ذرائع سے دولت کما کر زمین خریدتا ہے تو وہ مختار ہے۔ جتنی زمین چاہے خرید لے، شریعت اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی۔ ایسی زمین کو مالک خود کاشت کرے، کسی دوسرے کو کاشت کے لیے دے دے یا روک رکھے(۲) حکومت کو اس میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں اِلا یہ کہ زمین کے بڑے بڑے ٹکڑے چند لوگوں کے قبضہ میں آجائیں جن سے مملکت کے نظم و نسق میں بگاڑ یا معاشی مفاسد کا خطرہ پیدا ہو جائے اور ایسی صورتوں میں حکومت ایسی

۱۔ جاگیر کی ایک تیسری صورت مغلیہ دور میں یہ تھی کہ علاقہ کے سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر دی جاتی تھیں جس کے عوض معین تعداد میں فوج اور گھوڑوں کا بوقت ضرورت مہیا کرنا ان کے ذمہ ہوتا تھا۔ ایسے سرداروں کے باقاعدہ مناصب ہوتے تھے پنج ہزاری، دس ہزاری وغیرہ۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس سردار کے ذمہ پانچ ہزار یا دس ہزار فوج مہیا کرنا ہے۔ جاگیرداری کی یہ شکل آج کل ختم ہو چکی ہے۔

۲۔ یہ بحث تفصیل سے آگے آ رہی ہے۔

زمینوں کی بھی تحدید کرسکتی ہے اور مقررہ حد سے زائد زمین اس شخص سے موجودہ نرخ کے مطابق خرید کر اسے بہتر مصرف میں لاسکتی ہے۔

جاگیر بطور عطایا:

اور جہاں تک حکومت کی طرف عطا کردہ جاگیر کے جواز کا تعلق ہے تو اس کے جواز کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے صحابہ کرام کو جاگیریں عطا کی تھیں مثلاً:

۱۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتی ہیں کہ ان کے خاوند حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کے علاقہ سے ایک نخلستان عطا فرمایا تھا۔

(بخاری، کتاب الجہاد والسیر. باب ما کان النبی اعطیٰ......)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جہاں تک تمہارا گھوڑا دوڑتا ہے وہاں تک زمین تمہاری ہے۔(ابوداؤد۔کتاب الخراج والفئ والِامارۃ۔ باب فی اِقطاع الارضین)

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انصار کے گھروں اور کھجوروں کے درمیان کچھ پلاٹ عطا کئے۔(حوالہ ایضاً)

۴۔ علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حضر موت میں ایک جاگیر دی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ زمین ماپ کردیں۔

(ترمذی۔دارمی بحوالہ مشکوٰۃ۔ کتاب البیوع .باب احیاء الموات .فصل ثانی)

۵۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فلاں فلاں قطعہ زمین عطا کیا۔ (فقہ السنۃ لسید سابق ج ۳۔ صفحہ ۱۷۲)

۶۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن دینار کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قطعۂ زمین عطا کیا۔ (حوالہ ایضاً)

۷۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارث مزنی کو معادن القبلیہ (مکہ اور مدینہ کے درمیان) کی اونچی زمین عطا کی۔ (حوالہ ایضاً)

۸۔ عبداللہ بن حسن کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو منبع کا علاقہ عطا کیا تھا۔ (کتاب الاموال بحوالہ مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۴۶)

۹۔ نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارث بن کلدہ کی درخواست پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بصرہ کی خراجی زمین کا قطعہ عطا فرمایا۔ (حوالہ ایضاً)

۱۰۔ موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زمینیں عطا کیں۔ (حوالہ ایضاً)

البتہ ایسے عطایا کے سلسلہ میں یہ ضرور دیکھنا پڑے گا کہ عطا کرنے والی

حکومت کیسی ہے اور جن لوگوں کو جاگیر عطا کی گئی وہ کیسے لوگ ہیں اور کن مقاصد کے لیے زمین عطا کی گئی ہے اور کیسے حالات میں دی گئی ہے۔ ان تفصیلات کو دیکھنے کے بعد ہی جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے تو وہ دو ہی ہو سکتے ہیں۔

(۱) زمین کی آبادکاری۔ (۲) خدمات کا صلہ۔ صلہ کے طور پر زرعی زمین برائے آبادکاری بھی دی جا سکتی ہے اور سکنی زمین (پلاٹ وغیرہ) مکان کی تعمیر کے لیے بھی۔

بنجر زمین کی آبادکاری:

بنجر زمین کی آبادکاری کے سلسلہ میں اسلام نے ایک سادہ اور فطری سا اصول بتا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ ((مَنْ اَحْیٰی اَرْضاً مَیْتَة فَهِیَ لَهٗ))

(ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد بحوالہ فقہ السنتہ ج ۳. صفحہ ۱۶۸)

ترجمہ: ''جس کسی نے مردہ (بے کار پڑی ہوئی بنجر) زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ہے۔''

۲۔ ((مَنْ عَمَرَ اَرْضاً لَیْسَتْ لِاَ حَدٍ فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا))

(بخاری۔ کتاب المزارعۃ۔ باب من احیا ارضا مواتا)

ترجمہ: ''جس کسی نے ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی دوسرے کی ملک نہ ہو تو وہی اس کا حقدار ہے۔''

۳۔ ((مَنْ اَحَاطَ حَائِطاً عَلَی الْاَرْضِ فَهِیَ لَهٗ))

(ابوداؤد۔کتاب الخراج والفئی والامارۃ۔ باب فی اقطاع الارضین)

ترجمہ : ''جس کسی نے (افتادہ) زمین پر احاطہ کھینچ لیا تو وہ اسی کی ہے۔''

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے مزنیہ اور جہینہ قبیلہ کے لوگوں کو آبادکاری کے زمین عطا کی جسے انہوں نے آباد نہ کیا۔ پھر کچھ اور لوگوں نے آکر اس زمین کو آباد کرلیا۔ اب مزنی اور جہنی لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں اپنا دعویٰ لائے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''اگر یہ جاگیریں میں نے یا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطا کی ہوتیں تو تمہیں واپس کرادیتا لیکن یہ رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ ہے۔'' پھر فرمایا۔ ''جو کوئی تین سال تک زمین کو آباد نہ کرے پھر دوسرے لوگ آباد کرلیں تو وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں'' (فقہ السنة ج۳. صفحہ ۱۷۴. السید سابق)

احادیث بالا سے بنجر زمین کی آبادی کے درج ذیل اصول معلوم ہوئے۔

آبادکاری کے اصول:

۱۔ جس افتادہ زمین پر کوئی شخص کاشت کے ذریعہ قبضہ کرلے اور اس پر پہلے سے کسی کا قبضہ نہ ہو تو وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔

۲۔ اگر ایسی زمین پر قبضہ کیا جائے جو آبادی سے دور ہو تو ایسی زمین پر کاشت کرنے کے لیے حکومت سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ حکومت اس بات کی پابند ہے کہ اس زمین پر کاشتکار کا حق ملکیت تسلیم کرے البتہ اگر ایسی زمین آبادی کے نزدیک ہو تو پھر حکومت سے اجازت حاصل کرلینا بہتر ہے۔

(فقہ السنة ج ۲ صفحہ ۱۷۰)

۳۔ ایک شخص بہت سی افتادہ زمین پر خط کھینچ کر یا دیوار کر کے یا کسی اور طرح سے حد بندی کر کے زمین گھیر کر اس پر اس خیال سے قبضہ کر لیتا ہے کہ وہ اس کو آباد کرے گا مگر وہ تین سال تک اس زمین کو یا اس کے کچھ حصہ کو آباد نہیں کر سکا تو حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ زمین جسے وہ آباد نہیں کر سکا اس سے واپس لے لے۔

زمین کی آبادکاری کا مسئلہ محض افراد کا ہی مسئلہ نہیں حکومت کا بھی ہے۔ حکومتیں اس معاملہ میں خاصی دلچسپی لیتی ہیں اور ہر وہ ذریعہ اختیار کرتی ہیں جس سے زمین جلد آباد ہو۔ اس سلسلہ میں حکومتیں کبھی تو کاشتکاروں کو بالکل مفت زمین اس شرط پر دے دیتی ہیں کہ اتنے سال کے اندر اندر زمین کی آبادکاری لازمی ہے۔ کبھی برائے نام قیمت لے کر، بلکہ کبھی اپنے پاس سے قرضے بھی دے کر ہر حکومت حاجتمندوں کو آسان شرائط کے تحت آبادکاری کے لیے افتادہ زمین مہیا کرتی ہے۔ اس طرح افراد اور حکومت دونوں ہی اس آبادکاری سے مستفید ہوتے ہیں۔

زمین کے عطیہ کی دوسری شکل کسی فرد کی خدمات کا صلہ ہے۔ یہ زمین افتادہ بھی ہو سکتی ہے، آباد شدہ بھی اور سکنی یعنی برائے تعمیر مکان بھی جیسا کہ خود رسول اکرم ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسلامی خدمات کے عوض اور ان کی احتیاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں عطا کیں۔ احتیاج کو ملحوظ رکھنے کا ذکر اس لحاظ سے ضروری ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسلامی خدمات بے شمار ہونے کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کوئی قطعہ زمین عطا نہیں فرمایا اور جس وقت آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زمین کے قطعات

عطا فرمائے اس وقت وہ فی الواقع حاجت منداور مستحق تھے۔

ناجائز جاگیروں کی واپسی:

اب دیکھئے جو جاگیریں اموی خلفاء نے شاہی خاندان کے افراد کو محض شاہی خاندان ہونے کی بنا پر عطا کی تھیں وہ شرعی نقطۂ نگاہ سے ناجائز اور قومی ملکیت میں خیانت وغصب کے مترادف تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے بیک جنبش قلم ایسی جاگیروں کو ناجائز قرار دے کر دوبارہ قومی تحویل میں واپس لے لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی اسلامی حکومت پہلے کی ناجائز عطا کردہ جاگیروں کو کسی وقت بھی واپس لے سکتی ہے۔

اب ذرا ان جاگیروں پر نظر ڈالئے جو انگریزوں نے بعض غداران قوم کو اپنے ملک وملت سے غداری (بالفاظ دیگر انگریز سے وفاداری) کی بنا پر عطا کی تھیں۔ کیا ایسی جاگیروں کے ناجائز ہونے میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟ خصوصاً اس صورت میں کہ اب انگریز بہادر بھی مدت سے یہاں سے تشریف لے جاچکا ہے۔ لہٰذا ایسی جاگیروں کے سلسلہ میں حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ ایسے لوگوں سے یہ جاگیریں واپس لے کر قومی ملکیت میں شامل کرے پھر ضرورت مندوں کو کاشت کے لیے آسان شرائط پر دے دے۔

غیر آباد جاگیروں کی واپسی:

اگر کوئی شخص افتادہ زمین پر قبضہ کرنے کے بعد تین سال تک اسے آباد نہ کر سکے تو حکومت اس سے زمین واپس لے سکتی ہے بالکل یہی صورت ان جاگیروں کی

بھی ہے جنہیں خود حکومت نے بعض افراد کو عطا کیا ہے۔ درج ذیل حدیث میں دونوں صورتوں میں زمین کو واپس لینے کی صراحت موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَادِیُّ الْاَرْضِ لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ ثُمَّ لکم مِنْ بَعْدِ فَمَنْ اَحْیَا ارضاً میتۃً فَھِیَ لَہٗ وَلَیْسَ لِمُحْتَجِرٍ حَقٍّ بَعْدَ ثلث سِنِیْنَ))

(فقہ السنۃ ج ۳. صفحہ ۱۷۱)

ترجمہ: ''بنجر زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے پھر اس کے بعد وہ تمہارے لیے ہے۔ پس جو کوئی مردہ زمین آباد کرے وہ اسی کی ہے اور بے کار روک رکھنے کے لیے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان عقیق نامی وادی میں ایک وسیع جاگیر عطا فرمائی تھی وہ اس سارے ٹکڑے کو آباد نہ کر سکے اور تین سال سے زائد مدت گزر گئی تا آنکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آ گیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ جتنی زمین تمہاری قوت کاشت سے زیادہ ہے وہ ہمارے حوالے کر دو تا کہ اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے جو قطعہ زمین مجھے خود رسول اللہ ﷺ نے عطا کیا ہے وہ آپ واپس کیسے لے سکتے ہیں؟ میں ہرگز واپس نہ کروں گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''واللہ تجھے یہ کام کرنا پڑے گا۔'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زائد زمین واپس لے کر اسے مسلمانوں میں بانٹ دیا۔ (کتاب الخراج از یحییٰ بن آدم۔ طبع مصر صفحہ نمبر ۹۳ کنز العمال مطبوعہ دکن ج ۲ صفحہ نمبر ۱۹۱ بیہقی دکن ج ۶ صفحہ نمبر ۱۳۸)

تحدید ملکیت کی شرائط:

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ زمین کے بڑے بڑے ٹکڑے (خواہ یہ کسی کی زرخرید جائداد کی صورت میں ہوں یا حکومت کے عطا کردہ ہوں) جب معدودے چند افراد کے قبضہ میں آ جائیں جس سے ملکی معیشت یا استحکام میں خطرہ پیدا ہو جائے یا یہ چیز طبقاتی تقسیم کو فروغ دینے لگے تو حکومت ایسی جاگیروں کی ملکی مصالح کی خاطر تحدید کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ مالکان زمین سے لی ہوئی زمین کی موجودہ نرخ کے حساب سے پوری پوری قیمت ادا کر دے اور بعدہ اپنی نئی پالیسی کو تشکیل دے۔ لیکن حکومت کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مالکان زمین سے ان کی مرضی کے بغیر زبردستی زمین چھین لے پھر اس پر پلاٹ بنا کر ۳۰ فیصد مالکان کو دے اور باقی زمین کا موجودہ نرخ اگر تین ہزار روپے مرلہ ہو تو وہ ایک سو یا اس کے لگ بھگ قیمت ادا کرے اور اگر خود زمین فروخت کرنا ہو تو موجودہ قیمت سے ڈبل نرخ پر فروخت کر کے عوام اور زمیندار دونوں کی جیبوں پر ترقیاتی منصوبوں کے نام پر ڈاکہ ڈالے۔ پھر اس ترقیاتی منصوبے کے نام پر دفتروں کے اندر اور باہر رشوت کا بازار گرم کرے۔ ان تمام کاموں سے ایک ایک بات شریعت کی نگاہ میں حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ جس بات کا حکومت کو شرعی نکتہ نگاہ سے حق حاصل ہے وہ تو کرتی نہیں۔ غداریوں کے عوض جاگیری حاصل کرنے والے جاگیردار بدستور ان پر قابض اور اسی کے بل بوتے پر دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے ہیں اور جن باتوں کو شریعت حرام قرار دیتی ہے' بڑے بڑے شہروں کے تمام ترقیاتی ادارے حکومت کی

سرپرستی میں ایسے تمام کام بڑی سرگرمی سے بجالا رہے ہیں۔

مزارعت

مزارعت سے متعلق تین طرح کی روایات مروی ہیں۔ایک ایسی روایات جومزارعت کو جائز قرار دیتی ہیں۔دوسرے وہ جو مزارعت کو ناجائز قرار دیتی ہیں اور تیسرے وہ جو عدم جواز کی توجیہ بیان کرنے کے بعد جواز مزارعت کی توثیق کرتی ہیں۔ان تینوں قسم کی روایات کا اجمالی ذکر درج ذیل ہے۔

جواز مزارعت والی روایات:

پیشتر اس کے کہ جواز مزارعت یا عدم جواز مزارعت کی روایات کا ذکر کیا جائے۔ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے استفادہ کی مختلف شکلوں کی وضاحت کردی جائے اور یہ ممکنہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

زمین سے استفادہ کی مختلف صورتیں:

الف: بٹائی۔بٹائی سے مراد مزروعہ کھیت کی پیداوار میں سے ہی پیداوار کا مخصوص حصہ ہے جو فریقین یعنی (مالک زمین اور کاشتکار) کی باہمی رضامندی سے زمین کے کرایہ کے طور پر طے پاتا ہے۔یہ حصہ چوتھا بھی ہوسکتا ہے۔تیسرا بھی نصف بھی اور اس سے کم وبیش بھی' مزارعت کے لفظ کا اطلاق عموماً اسی قسم پر ہوتا ہے۔نیز اسی قسم کے لئے دورِ نبوی میں مخابرہ کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔

ب۔ ٹھیکہ بہ شکل پیداوار۔مثلاً مالک زمین کاشتکار سے یہ طے کرے کہ کھیت سے پیداوار خواہ آٹھ من ہو یا دس من' میں تین من ضرور لوں گا۔اسے عربی میں محاقلہ

کہتے ہیں۔

ج۔ ٹھیکہ بہ شکل نقدی۔ مثلاً مالک زمین یہ کہے کہ کھیت میں جو کچھ بھی پیداوار ہو اور جتنی بھی ہو۔ میں اس کے عوض پانچ سو روپے' یا دس من گندم یا اتنی کھجور یا فلاں جنس لوں گا۔ یہ ٹھیکہ ایک ہی فصل کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ ایک سال کے لئے بھی۔ اور زیادہ عرصہ کے لئے بھی۔ اس شکل کو ہماری زبان میں مستاجری کہتے ہیں اور یہ عموماً نقدی کی شکل میں ہی طے کی جاتی ہے۔

د۔ مخصوص شرائط پر۔ مثلاً مالک زمین یہ کہے کہ مزروعہ کھیت کی شمالی تہائی جانب کی پیداوار میری ہوگی یا نالیوں کے ساتھ ساتھ والی زمین کی پیداوار میری ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایسی شرائط میں چونکہ دھوکے کا احتمال ہے لہٰذا اس قسم کی مزارعت بالاتفاق ناجائز ہے۔ اگر جواز یا عدم جواز کی بحث ہے تو مندرجہ بالا تین اقسام میں ہی ہے۔

اس وضاحت کے بعد ہم ایسی احادیث درج کرتے ہیں جن سے بٹائی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

(۱) جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کے معاشی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مواخات کا سلسلہ قائم کر دیا۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں کہ:

((قَالَتِ الانْصَارُ لِلنَّبِیِّ ﷺ اقْسِمْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِیْلَ قَالَ لَا فَقَالَ تَکْفُوْنَا الْمَؤُنَةَ وَنُشْرِکُکُمْ فِی الثَّمَرَةِ. فقالوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا)) (بخاری۔ کتاب الشروط۔ باب الشروط فی المعاملة)

ترجمہ: ''انصار نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارے نخلستان ہم میں اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرمادیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں۔'' پھر انصار نے مہاجرین کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ ان میں محنت کریں ہم آپ کو پیداوار میں شریک کرتے ہیں۔مہاجرین نے جواب دیا: ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ ''یعنی ہمیں منظور ہے۔''

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ خیبر والوں پر غالب ہوئے تو وہاں کی ساری زمین اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہوگئی آپ ﷺ نے چاہا کہ یہودیوں کو وہاں سے نکال دیں لیکن انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ:

((لِيُقِرَّهُمْ بِهَا اَنْ يَّكْفُوْا عَمَلَهَا وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ. فَقَالَ لَهُمْ رسولُ اللهِ ﷺ: نُقِرُّكُم بِهَا عَلٰى ذٰلِكَ مَاشِئْنَا فَقَرُّوْا بِهَا حَتّٰى اَجْلاَهُمْ عُمَرُ اِلٰى تَيْمَآءَ وَاَرِيْحَآءَ))

(بخاری. کتاب المزارعة. باب اذا قال رب الارض......)

ترجمہ: ''آپ ﷺ ان یہودیوں کو خیبر میں رہنے دیں وہ کھیتی باڑی کا سارا کام کریں اور پیداوار میں سے نصف حصہ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا ''جب تک ہم چاہیں گے تم کو اس کام پر رکھیں گے۔'' پھر اس پر عہد فاروقی تک عملدرآمد رہا تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں (اپنی خلافت میں) تیماء اور اریحاء کی طرف جلاوطن کردیا۔''

(۳) تعامل امت: امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قیس بن مسلم نے ابوجعفر سے روایت کی کہ مدینہ میں کوئی ایسا مہاجر نہ تھا جو تہائی اور چوتھائی پر کاشت کاری نہ کرتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عمر بن عبدالعزیز' حضرت قاسم' حضرت عروہ' اولاد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اولاد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اولاد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب نے کھیتی باڑی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے اس شرط پر کام کرایا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیج دیں تو پیداوار میں آدھا حصہ لیں گے اور اگر وہ خود اپنی تخم ریزی کریں تو اتنا لیں گے۔''

(بخاری۔ کتاب ماجآء فی الحرث والمزارعۃ باب المزارعۃ بالشرط ونحوہ)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بعد میں عدم جواز مزارعت کے قائل ہوگئے تھے) کا تعامل امت کے متعلق اعتراف۔

نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد نبوی' عہد صدیقی' فاروقی' عہد عثمانی اور خلافت معاویہ میں اپنی مزروعہ زمینیں کرایہ پر دیا کرتے تھے یہاں تک کہ خلافت معاویہ کے آخر میں انہیں روایات پہنچی کہ رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خدیج رسول اللہ ﷺ سے اس کی ممانعت بیان کرتے ہیں۔ وہ ان کے پاس گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے زمین کو کرایہ پر دینا چھوڑ دیا۔ بعدازاں جب کوئی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھتا تو کہتے کہ خدیج کے بیٹے نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(مسلم۔کتاب البیوع باب کراء الارض) (بخاری۔کتاب المزارعۃ۔باب ماکان من اصحاب النبی)

عدم جوازِ مزارعت کی احادیث

ایسی احادیث کی تعداد جو صحاح ستہ میں موجود ہے، بہت زیادہ ہے۔ ہم یہاں بغرض اختصار صحیح مسلم کو بنیاد بنا کر اسی کی روایات بیان کریں گے کیونکہ ایک تو اس کا شمار صحیحین میں ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں اس موضوع کی کافی احادیث مندرج ہیں۔ تاہم ہم نے صرف ان میں سے حسبِ ضرورت احادیث درج کی ہیں جن میں الفاظ یا معانی کا کچھ نہ کچھ اختلاف تھا البتہ اگر کسی حدیث کا بخاری سے حوالہ مل گیا تو اسے بھی درج کر دیا گیا ہے۔

عدم جواز مزارعت کو روایت کرنے والے مندرجہ ذیل صحابہ کرام ہیں۔

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری (م ۷۴ھ بعمر ۹۴ سال)

(۲) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۷۴ھ بعمر ۸۴ سال)

عدم مزارعت کے باب میں سب سے زیادہ آپ ہی کا نام سامنے آتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمینیں بہت تھیں جنہیں آپ مزارعت یا کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے آخری دور میں عدم جواز مزارعت کا خوب چرچا کیا اور اس لحاظ سے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے زمیندار بھی تھے۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مزارعت کے مسئلہ کی تحقیق کے لئے آپ کے پاس ہی آتے رہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۵۰ھ)

(۴) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۷۴ بعمر ۸۴ سال)

(۵) حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۶۴ھ)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات:

(۱) ((عن جابر عن عبد الله رضی الله عنهما ان رسول الله ﷺ نهیٰ عن کراء الارض)) (مسلم۔کتاب البیوع باب کراء الارض)

ترجمہ: ”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔“

واضح رہے کہ زمین کے کرائے سے مراد صرف نقدی یا ٹھیکہ نہیں بلکہ اس سے مذکورہ بالا چاروں صورتیں مراد ہیں۔

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَاِنْ لَّمْ يَزْرَعْهَا فَلْيُزْرِعْهَا اَخَاهُ)) (ایضاً)

ترجمہ: ”اگر کسی کے پاس زمین ہے تو وہ اسے خود کاشت کرے ورنہ کاشت کے لئے اپنے بھائی کو دے دے۔“

(۴) یہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

((کَان لِرجُلٍ فُضُوْل ارضِیْن مِن اصحاب رَسُول اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ کَانَ لَه، فَضْلُ الْاَرْضِ فَلْیَزْرَعْهَا اَوْلِیَمْنَحهَا اَخَاه فَاِنْ ابیٰ فَلْیُمْسِكْ اَرْضَه،)) (ایضاً)

ترجمہ: بعض اصحاب رسول اللہ ﷺ کے پاس ضرورت سے زائد زمینیں تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''جس کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین ہو وہ اس میں کھیتی کرے یا احسان کے طور پر اپنے بھائی کو کاشت کے لئے دے دے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر زمین کو رکھ چھوڑے۔''

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کرایہ کی کوئی شکل بھی اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے۔

(۴) یہی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

((نهیٰ رسول اللہ ﷺ ان یُوْخَذَ فِی الْاَرْضِ اَجْراً اَوْحَظًّا))(ایضاً)

ترجمہ: ''منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے زمین کا کرایہ لینے یا کسی بھی طرح کا دوسرا فائدہ اٹھانے سے۔''

(۵) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ کَانَتْ لَه، اَرضٌ فَلْیَزْرَعْهَا اَوْلِیُزْرِعْهَا اَخَاهُ وَلَایُکْرِیْهَا))

(مسلم۔ایضاً)

ترجمہ: ''جس کے پاس زمین ہو وہ اس پر خود کاشت کرے یا پھر اپنے بھائی کو دے دے اور کرایہ نہ لے۔'' (مسلم ایضاً) (بخاری کتاب المزارعہ۔باب ماکان من اصحاب النبی......)

(۶) یہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((ان النبیّ ﷺ نھٰی عن المخابرۃ)) (ایضاً)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے مخابرہ (بٹائی) سے منع فرمایا۔''

(۷) یہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

((مَنْ کَانَتْ لَہٗ اَرضٌ فَلْیَھِبْھَا اَوْلِیُعِرْھَا)) (مسلم۔ایضاً)

ترجمہ: ''جس کے پاس زمین ہو وہ اس کو ہبہ کردے یا عاریۃً دے دے۔''

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم میں اور بھی بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن حصول طلب کے لئے اتنی احادیث بھی کافی ہیں۔ان احادیث سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ زمین سے فائدہ اٹھانے کی ان چاروں اقسام میں سے جو اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے کوئی قسم بھی جائز نہیں۔

رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خدیج کی مرویات:

(۲) رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((کنا نُحَاقِلَ الارضَ عَلٰی عَھدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَنُکْرِیُھَا

بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامُ الْمُسَمّٰى فَجَآءَ نَاذَاتَ يَوْمٍ رَجُلٌ مِنْ عُمُومَتِيَ فَقَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ امرٍ كَانَ لَنَا نَافِعاً وَطَوَاعِيَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ اَنْفَعُ لَنَا نَهَانَا اَنْ نُحَاقِلَ الْاَرْضَ اِلَّا اَنْ يَزْرَعُهَا وَكَرِهَ كِرَاءَ هَا وَمَا سِوىٰ ذٰلِكَ))(مسلم۔ایضاً)

ترجمہ:" ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں محاقلہ کیا کرتے تھے تو اپنی زمین کو تیسرا حصہ یا چوتھا حصہ (بٹائی پر) یا معین اناج کے عوض کرایہ پر چلاتے تھے۔ایک روز ہمارے پاس میرے چچاؤں میں کوئی صاحب آئے اور کہنے لگے "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسے کام سے منع کر دیا جس میں ہمارا فائدہ تھا لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشی میں ہمیں زیادہ فائدہ ہے۔آپ ﷺ نے ہمیں بٹائی سے منع فرمادیا اور کہا کہ مالک زمین یا تو خود کاشت کرے یا دوسرے کو دے دے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین کے کرایہ یا کسی بھی دوسری صورت کو ناپسند فرمایا۔"

(۲) رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خدیج کہتے ہیں کہ میرے چچا ظہیر بن رافع نے کہا کہ:۔

((لَقَدْ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقًا قُلْتُ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ حَقٌّ.قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ بِمَحَاقِلِكُمْ ؟ قُلْتُ نُؤَاجِرُهَا عَلَى الرُّبُعِ وَعَلَى الْاَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ وَالشَّعِيْرِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اُزْرُعُوْهَا اَوْ اَزْرِعُوْهَا اَوْ اَمْسِكُوْهَا قَالَ رَافِعٌ قُلْتُ:سَمْعًا وَّ طَاعَةً))

(بخاری، کتاب المزارعۃ۔باب ما کان اصحاب النبی......)

ترجمہ: ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسی بات سے منع کر دیا جس میں ہمارا فائدہ تھا۔ میں نے (یعنی رافع نے) کہا جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہی حق ہے۔ ظہیر کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور پوچھا'' تم اپنے کھیتوں کا کیا کرتے ہو؟'' میں نے کہا'' چوتھائی پیداوار پر بھی دیتے ہیں اور کھجور یا جو کی معین مقدار پر بھی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا'' ایسا مت کرو اپنی کھیتی خود کاشت کرو یا کراؤ یا خالی پڑی رہنے دو۔'' میں نے کہا'' آپ ﷺ کا ارشاد سن لیا اور مان لیا۔''

مندرجہ بالا احادیث اگرچہ دو ہی ہیں تاہم ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے کرائے یا زمین سے فائدہ اٹھانے کی کوئی بھی ایسی قسم نہیں جس سے آپ ﷺ نے منع فرما دیا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات:

(۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

((مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْلِيَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهُ)) (ایضاً)

ترجمہ: ''جس کے پاس زمین ہو وہ اس میں کھیتی کرے یا اپنے بھائی کو بطور احسان دے دے اور اگر وہ نہ لے تو اپنی زمین پڑی رہنے دے۔''

(بخاری کتاب المزارعۃ۔ باب ما کان اصحاب النبی......)

(۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ))

(بخاری۔ایضاً)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ (طے شدہ پیداوار بطور کرایہ) اور مزابنہ (کھجور کے درخت کا محاقلہ کی طرح کرایہ طے کرنا) سے منع فرمایا ہے۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ:۔

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ اشْتَرَآءُ التَّمْرِ فِيْ رَءُوْسِ النَّخْلِ وَالْمُحَاقَلَةِ كِرَاءُ الْاَرْضِ)) (ایضاً)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔مزابنہ کھجور کا بیچنا ہے درخت پر اور محاقلہ زمین کو کرایہ پر چلانا۔''

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معقل کہتے ہیں کہ میں نے ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ضحاک سے مزارعت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُزَارَعَةِ)) (مسلم۔ایضاً)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے۔''

عدم جواز سے متعلق حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یا دوسرے مسئولین کے مختلف جوابات:

(۱) حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ عہد نبوی ﷺ' صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور شروع معاویہ کی خلافت میں تا آنکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت میں ان کو خبر پہنچی کہ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی رسول اللہ ﷺ سے ممانعت بیان کرتے ہیں تو وہ رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا اور ان سے یہ مسئلہ پوچھا تو حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَنْھٰی عَنْ کِرَاءَ الْمَزَارِعَ)) (مسلم۔ایضاً)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے۔

یہ سن کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے سالم یوں بیان فرماتے ہیں کہ:۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زمینوں کو کرایہ پر دیا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کو خبر پہنچی کہ رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خدیج انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے منع کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور کہا ''تم کراء الارض سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کیا حدیث بیان کرتے ہو؟'' رافع نے کہا ''میں نے اپنے دونوں چچاؤں سے جو بدر میں شریک ہوئے تھے سنا' وہ گھر والوں سے حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے

زمین کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے۔'' حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ''میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں زمین کرایہ پر دی جاتی تھی۔'' پھر عبداللہ ڈرے۔ ایسا نہ ہو کہ اس بات میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی نیا حکم دیا ہو جس کی انہیں خبر نہ ہوئی ہو تو انہوں نے زمین کرایہ پر دینا چھوڑ دیا۔ (مسلم۔ ایضاً)

(۲) حنظلہ زرقی کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ:

''تمام انصار میں ہمارے یہاں محاقلہ زیادہ تھا۔ ہم یہ کہہ کر زمین کرایہ پر دیتے کہ یہاں کی پیداوار ہم لیں گے اور یہاں کی تم لینا۔ پھر کبھی یہاں اگتا وہاں نہ اگتا تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو منع کیا اس سے لیکن چاندی کے بدل کرایہ پر دینا' تو اس سے منع نہیں کیا۔'' (ایضاً)

(بخاری کتاب المزارعہ۔ مایکرہ من الشروحات)

(۳) حنظلہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کراء الارض سے متعلق پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ:۔

((نھی رسول اللہ ﷺ عن کراء الارض قال فقلت ابا لذھب والورق قال اما بالذھب والورق فلا باس به))

(مسلم۔ حوالہ ایضاً۔ باب کراء الارض بالذھب والفضة)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع کیا۔ میں نے کہا ''کیا سونے چاندی کی صورت میں بھی کرایہ پر دینا منع ہے؟'' رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''سونے اور چاندی کے بدل تو کوئی حرج نہیں۔''

(۴) حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس انصاری کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ:

((كُنَّا اَكْثَرُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَزْرَعاً وَ كُنَّا نُكْرِى الْاَرْضَ بِالنَّاحِيَةِ مِنْهَا مُسَمًّى لِسَيِّدِ الْاَرْضِ قَالَ فَمِمَّا يُصَابُ ذٰلِكَ وَتَسْلَمُ الْاَرْضُ وَمِمَّا يُصَابُ الْاَرْضُ وَيَسْلَمُ ذٰلِكَ فَنُهِيْنَا وَاَمَّا الذَّهَبُ وَالْوَرِقُ فَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ))

(بخاری. کتاب المزارعة. باب بلاعنوان)

ترجمہ: ''سب اہل مدینہ سے ہماری کھیتی زیادہ تھی اور ہم زمین اس شرط پر دیتے تھے کہ زمین کے فلاں حصے کی پیداوار ہم لیں گے تو کبھی ایسا ہوتا کہ اس حصے کی پیداوار خراب ہو جاتی اور باقی زمین کی اچھی رہتی اور کبھی ساری زمین خراب ہو جاتی اور اس حصے کی بچی رہتی۔ اسی وجہ سے ہمیں اس سے روکا گیا۔ رہا سونے چاندی (نقدی) کے عوض زمین دینا تو اس کا ان دنوں رواج ہی نہ تھا۔''

(۵) عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سائب کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معقل کے پاس گئے اور ان سے بٹائی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا۔

((زعم ثابت رضى الله تعالىٰ عنه ان رسول الله ﷺ نَهٰى عَنِ الْمَزَارَعَةِ وَاَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ وَقَالَ لَا بَأسَ بِهَا)) (مسلم۔ ایضاً)

ترجمہ: ثابت رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بٹائی سے تو منع کیا اور مواجرت (نقدی پر) دینے کا حکم فرمایا اور فرمایا ''اس میں کچھ حرج نہیں۔

عدم جواز مزارعت کی توجیہات

توجیہ نمبرا۔ناجائز شرائط:

خلافت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب عدم جواز مزارعت کا چرچا ہونے لگا تو لوگ صحیح صورت کی تحقیق کے لیے رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے عدم جواز کے راویوں کی طرف رجوع کرنے لگے۔رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پاس پہنچنے والوں میں حنظلہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الزرقی اور رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی اسید بن ظہیر ہیں۔ان تینوں کی روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدم جواز مزارعت کی وضاحت یہ فرمائی کہ اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ مالک زمین نہروں اور کھالیوں کے کناروں کی زمین یا ایسی زمین جہاں پانی از خود پہنچ جاتا تھا کی پیداوار اپنے لیے مخصوص کر لیتے تھے۔علاوہ ازیں بعض مالک زمین یہ شرط بھی کر لیتے تھے کہ بھوسہ سارا ان کا ہوگا اور بعض دفعہ یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ گانٹھیں یا گھنڈیاں (پہلی دفعہ گاہنے کے بعد سٹوں میں جو دانے بچ جاتے ہیں) مالک کی ہوں گی۔یہ شرط سب ایسی ہی تھیں جن سے کسی ایک فریق کا فائدہ یا دوسرے کا نقصان یقینی ہو جاتا تھا۔چونکہ یہ دھوکے کی بیع تھی لہذا آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔رہا نقد کرایہ کی ادائیگی تو ایک روایت میں ہے کہ چاندی سے کرایہ کے تعین کو رسول اللہ ﷺ نے منع نہیں کیا۔

(مسلم۔کتاب البیوع۔باب کراء الارض)

اور دوسری روایت میں ہے کہ ان دنوں سونے یا چاندی سے زمین کے کرایہ

کی ادائیگی کا دستور ہی نہ تھا۔ (بخاری کتاب المزارعۃ)

تیسری روایت کے مطابق آپؓ اپنا خیال پیش فرماتے ہیں کہ جہاں تک سونے چاندی سے کرایہ کی ادائیگی کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(بخاری۔ کتاب المزارعۃ۔ باب کراء الارض بالذهب والفضة)

اور چوتھی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مزارعت سے منع کیا اور مواجرۃ (یعنی روپے نقدی پر کرایہ پر دینے) کا حکم دیا۔ (مسلم ایضاً)

تنقید:

مندرجہ بالا روایات اگرچہ صحیح ہیں تاہم معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب تحقیق کی نوبت آئی تو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختلف حضرات کو مختلف جواب دیتے رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نافع کے ساتھ آپ کے پاس گئے تھے۔ اگر رافع بن خدیج انہیں بھی ایسی ہی توجیہ بتا دیتے کہ اس عدم جواز کا اصل سبب ناجائز قسم کی شرائط ہیں نہ کہ فعل مزارعت اصلاً ناجائز ہے تو شاید عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زمینوں کو کرایہ پر دینا کبھی نہ چھوڑتے۔

رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت تو یہ تھی کہ ان کے چچا ان کے گھر آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسے کام سے روک دیا جس میں ہمارا فائدہ تھا تاہم اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے میں ہمیں زیادہ فائدہ ہے۔ اب اگر ان ناجائز شرائط ہی کی بات تھی تو ان غلط شرائط کو ترک کرنے کے بعد زمین سے بٹائی (مخابرہ) اور کرایہ (محاقلہ) دونوں صورتوں میں فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا پھر

انہوں نے یہ فائدہ کیوں چھوڑا تھا؟

توجیہ نمبر۲: مزارعت میں جھگڑا:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود تو مخابرہ یعنی بٹائی کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ (ابوداوُد)

مگر حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدم جواز کی توجیہ پیش فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

((یَغفِرُ اللّٰہُ لِرافِعِ بن خدیج اَنَا وَاللّٰہِ اَعلَم بِا لُحَدِیُثِ مِنہُ انَّمَا جَآء النبیُّ ﷺ رجُلان من الاَنصار قَدِاقُتَتَلا فقَالَ: اِنُ کَانَ ھٰذا شَانُکُمُ فَلا تکُرُو الُمَزَارِعَ فَسَمِعَ رَافِع قوُلَہ' فَلا تکُرُو الُمَزَارِعَ)) (ابوداوُد۔نسائی بحوالہ فقہ السنۃ ج۳ صفحہ نمبر۱۶۴)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاف فرمائے! واللہ میں اس حدیث کو ان سے بہتر جانتا ہوں۔ واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس انصار کے دو آدمی لڑتے جھگڑتے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اگر تمہارا یہی حال ہے تو زمین کرایہ پر نہ دیا کرو۔'' رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہی آخری قول کہ زمین کو کرایہ پر نہ دیا کرو سن لیا (یعنی یہی آخری قول بیان کرنا شروع کر دیا)''

تنقید:

یہ توجیہ اس لحاظ سے محل نظر ہے کہ حضرت رافع بن خدیج زمین کو کرایہ پر

دینے (محاقلہ) کے قائل ہیں جیسا کہ توجیہ نمبر ا کی چوتھی شق میں واضح کیا گیا ہے اور یہ روایت کرایہ پر دینے کو ہی ناجائز بتا رہی ہے۔

غرض یہ کہ عدم جواز مزارعت (مخابرہ اور محاقلہ) کی روایات کی توجیہ کے متعلق تین روایات آئی ہیں۔ ان میں ایسی شرائط مذکور ہیں جو فی الواقع شرعی لحاظ سے نادرست ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ عدم جواز کی کثیر التعداد روایات مزارعت سے علی الاطلاق منع کر رہی ہیں لہٰذا ان دونوں قسم کی روایات کو آمنے سامنے رکھنے سے بھی ذہن پوری طرح صاف نہیں ہوتا۔

ان توجیہات کے بعد اب ہم دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی صورت پر غور کریں گے۔

تطبیقات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تطبیق:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں قسم کی روایات کی تطبیق کی صورت یوں بیان فرمائی کہ:

((لَمَّا سَمِعَ اَكْثَرُ النَّاسِ فِي كِراءِ الارْض قَالَ سُبْحَانَ اللّٰه انَّما قَالَ رسولُ اللّٰه ﷺ لِاَنْ مَنَحَها اَحَدُكُمْ اخاه(اى قاله تحريضاً للنَّاسِ عَلَى الاحسانِ)ولم يَنْهَ عَنْ كَرَائِها))

(ابن ماجہ۔ احمد۔ ابوداؤد۔ بحوالہ منتقی الاخبار۔ کتاب المزارعۃ)

ترجمہ: ”جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین کے

کرائے کے سلسلہ میں اکثر لوگوں کی چہ میگوئیاں سنیں تو فرمایا: سبحان اللّٰہ۔ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا تھا کہ تمہارا کوئی شخص اپنے بھائی کو کرائے کے بجائے مفت زمین کیوں نہیں دیدیتا (یعنی آپ ﷺ لوگوں کو احسان کی ترغیب دینا چاہتے تھے) آپ ﷺ نے زمین کرایہ پر دینے سے منع نہیں فرمایا تھا۔" اسی مضمون سے ملتی جلتی روایت ترمذی میں اس طرح ہے۔

((عن ابن عباس ان النبیّ ﷺ لَمْ یُحَرِّمُ الْمُزَارَعَةَ وَلٰكِنْ اَمَرَاَنْ یَرْفِقَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ)) (رواہ الترمذی و صححہ)

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کھیتی کو بٹائی پر دینے کو حرام نہیں کیا۔ ہاں آپ ﷺ نے یہ ضرور حکم فرمایا ہے کہ ایک شخص دوسرے سے نرمی کا برتاؤ کرے۔"

گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدم جواز مزارعت کی تمام روایات میں مذکورہ نہی کو نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تطبیق کو امت کی اکثریت نے قبول کرلیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مایہ ناز شاگرد اور نامور فقیہ حضرت طاؤس رحمہ اللہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی تطبیق کو قبول کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے کہا "کاش! تم کھیتی کو بٹائی پر دینا چھوڑ دو کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھیتی کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا ہے۔" حضرت طاؤس کہنے لگے کہ "لوگوں میں

سب سے زیادہ جاننے والے (یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ نے کھیتی کو بٹائی پر دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی اپنے بھائی کو زمین ہدیہ کے طور پر دے دے تو یہ بات اس کے لیے اجرت پر دینے سے بہتر ہے۔" (بخاری۔کتاب الوکالۃ۔ باب المزارعة بالشطر ونحوه)(مسلم۔کتاب البیوع۔باب کراء الارض)

اس تطبیق سے متعلق مختلف روایت درج کرنے کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منتقی الاخبار کتاب المساقات والمزارعۃ کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

((وَبِالْاِجْمَاعِ تَجُوْزُ الْاَجَارَةَ وَلَاتَجِبُ الْاَعَادَةَ فَعَلِمَ اَنَّهُ اَرَادَ النُّدْبَ))

ترجمہ:"کرائے پر زمین دینا بالاجماع جائز ہے اور بطور عاریت دینا بالاتفاق واجب نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارادہ استحباب کا تھا۔"

ہمیں اس نتیجہ سے تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ جواز مزارعت پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں بلکہ یہ جمہور کا مذہب ہے اور اجماع اور جمہور میں فرق ہے وہ بالکل واضح ہے۔صحابہ میں بھی یہ اختلاف موجود تھا۔بعد میں بھی ظاہریہ عدم جواز کے قائل رہے ہیں۔

(نیل الاوطار۔ج ۴ صفحہ نمبر ۱۰)

فقہاء اربعہ میں سے کچھ مخابرہ کو جائز سمجھتے ہیں اور کچھ محاقلہ کو۔ان حالات میں مزارعت کے جواز پر اجماع کے دعویٰ کو کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے؟

مزارعت کے قائلین اور منکرین کے دلائل کا موازنہ

ا۔ قائلین مزارعت کی سب سے بڑی دلیل خود رسول اللہ ﷺ کا خیبر کی زمین کو بٹائی پر دینا ہے اور چونکہ آپ ﷺ کی آخری عمر تک بلکہ دور فاروقی تک خیبر کی زمین بٹائی پر رہی ہے لہٰذا عدم جواز مزارعت والی تمام روایات منسوخ قرار پاتی ہیں۔

اس کے جواب میں منکرین مزارعت یہ کہتے ہیں کہ خیبر کا معاملہ بٹائی کا معاملہ تھا ہی نہیں کیونکہ خیبر کو رسول اللہ ﷺ نے بزور شمشیر فتح کیا تھا۔ لہٰذا خیبر کے یہود مسلمانوں کے غلام تھے۔ اس لحاظ سے خیبر کی زمین کی پیداوار کا جو حصہ آپ ﷺ وصول کرتے تھے وہ بھی آپ ﷺ کا ہی تھا اور جو کچھ یہود کے پاس چھوڑ دیتے تھے وہ بھی آپ ﷺ ہی کا تھا۔ حادی کہتے ہیں کہ یہ مذہب عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ' رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ' اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' اور نافع کا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ' امام شافعی رحمہ اللہ' اور کوفیین میں سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسی طرف گئے ہیں۔ (نیل الاوطار ج۴ صفحہ نمبر۱۰)

منکرین مزارعت کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خیبر کی زمین خراجی تھی۔ لہٰذا اس کے متعلق جو بھی معاملہ طے کر لیا جاتا وہ درست تھا۔

یہ دلیل اس لحاظ سے درست نہیں کہ خیبر کا کچھ حصہ تو بزور شمشیر فتح کیا گیا تھا اور کچھ حصہ بغیر جنگ کے فتح ہو گیا تھا۔ اسی لیے خیبر کی آدھی زمین تو بطور مال فے اسلامی مملکت کی تحویل میں آ گئی باقی آدمی زمین مجاہدین میں تقسیم ہو گئی۔ اسے کسی

صورت بھی خراجی قرار نہیں دیا جاسکتا، باقی رہا مزارعت کا معاملہ تو وہ خراجی زمین تھی یا غیر خراجی سب کا معاملہ بٹائی پر ہی ہوا تھا۔

منکرین مزارعت کی طرف سے خیبر کے بٹائی کے معاملہ پر کچھ اور بھی اعتراض کر کے اسے بٹائی کے معاملہ سے ہی خارج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر ایسے اعتراض چونکہ محض ''اعتراض برائے اعتراض'' ہیں۔ لہٰذا اس مختصر مقالہ میں ان کا ذکر کرنا مشکل ہے۔

۲۔ قائلین مزارعت کی طرف سے جواز مزارعت کی دوسری دلیل مواخات کے سلسلہ میں مہاجرین کا نصف پیداوار پر کام کرنا ہے۔ اس دلیل کا منکرین مزارعت یہ جواب دیتے ہیں کہ عدم جواز مزارعت کا اصل مقصد مسلمانوں کا آپس میں ذاتی خود غرضی اور طمع کے بجائے ایثار و رفاقت سے کام لینا ہے اور سلسلہ مؤاخات میں یہ مقصد پہلے ہی بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ یعنی انصار تو اس بات پر بھی تیار تھے کہ اپنی زمین مزارعت یا بٹائی پر دینے کے بجائے مہاجرین کو آدھی زمین کا مالک بنا دیں لیکن مہاجرین کی خودداری نے انصار کے اتنے بڑے ایثار اور قربانی کو قبول نہ کیا تو اب اس کی دوسری صورت یہی باقی رہ جاتی تھی کہ انصار کی زمین یا نخلستان میں مہاجر کام کریں اور پیداوار نصف نصف تقسیم کر لی جائے۔ مہاجرین و انصار کا یہ معاہدہ اگرچہ اپنی ظاہری شکل میں مزارعت ہی نظر آتا ہے لیکن مقصد کے لحاظ بالکل مختلف ہے۔ لہٰذا اس واقعہ کو بٹائی کے جواز کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ منکرین مزارعت کی طرف سے اپنے موقف کی صحت کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بٹائی سے رجوع کے واقعہ کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔

اس کا جواب قائلین کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ:

(i) یہ تو واضح ہے کہ دور نبوی ﷺ میں آپ ﷺ کے سامنے بٹائی کا کاروبار ہوتا رہا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے رجل صالح فرمایا تھا، بھی یہ کاروبار کرتے رہے ہیں۔ اگر یہ بٹائی کا معاملہ فی الواقع حرام ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو سختی سے بند کر دینا چاہیے تھا جیسا کہ آپ نے سود اور شراب وغیرہ کے سلسلہ میں کیا۔

(ii) آپ خود بھی فقیہ تھے اور ایسے مدبر خلیفہ المسلمین کے بیٹے تھے جنہوں نے دس گیارہ سال تک اسلامی مملکت کا نظم ونسق چلایا اور یہ ناممکن ہے کہ زندگی کے ایک نہایت اہم گوشہ سے تعلق رکھنے والا یہ مسئلہ ان کی نظروں سے اوجھل رہ گیا ہو یا اس کے متعلق انہیں پورا پورا اور صحیح علم نہ ہوسکا ہو۔ اس وضاحت کے بعد قائلین مزارعت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رجوع کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رجوع کی اصل وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو بٹائی کی صحت کے متعلق غلطی ظاہر ہوگئی تھی۔ بلکہ اس کی اصل وجہ زہد و ورع کے سلسلہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شدت احتیاط تھی جو آخری عمر میں وہم کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری عمر میں وضو میں اس قدر مبالغہ کرنے لگے تھے کہ آنکھوں کا اندرونی حصہ بھی دھوتے تھے جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بچوں سے پیار کرتے تو پھر کلی کیے بغیر نماز نہ پڑھتے۔ اسی طرح اگر دوران نماز امام کے ساتھ شامل ہوتے تو بعد میں صرف چھوٹی ہوئی نماز ہی ادا نہ کرتے بلکہ سجدہ سہو بھی

کرتے تھے۔

(زاد المعاد ج ۱ نمبر صفحہ ۶۲۶ بحوالہ مسئلہ ملکیت زمین صفحہ نمبر ۶۷)

مندرجہ بالا تصریحات سے معاملہ زیر بحث کے بہت سے پہلو سامنے آ گئے ہیں۔ یہ تسلیم ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زہد و ورع کے معاملہ میں حد درجہ محتاط تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ جس قدر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت تھے اسی قدر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نرم تھے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزارعت کو علی الاطلاق جائز قرار دیتے اور نہی کو درجہ استحباب پر لے آتے ہیں۔ پھر یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں جو عورتوں کے پردہ کے معاملہ میں درونِ خانہ کی حد تک چہرہ اور ہاتھوں کو پردہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعہ کو قابل حد جرم قرار دینے کے بعد بھی اس کے جواز کے قائل رہے اور فرمایا کہ متعہ اللہ کی طرف سے رحمت تھی جسے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روک دیا۔ اگر یہ باقی رہتی تو مسلمان کبھی زنا نہ کرتے۔

(تفسیر مظہری۔ زیر آیت متعلقہ)

ہمارے اس خیال کی تائید علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کے درج ذیل اقتباس سے بھی ہو جاتی ہے۔ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اور (اموی خلیفہ ابو جعفر) منصور کا علم دین میں جو مرتبہ قبل از خلافت اور بعد از خلافت رہا ہے وہ مخفی نہیں۔ چنانچہ اسی نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ کو مؤطا

تصنیف کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''اے عبداللہ! (امام مالک رحمہ اللہ کی کنیت) اس وقت سطح زمین پر مجھ سے اور تم سے زیادہ کوئی عالم دین نہیں۔ میں تو خلافت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا ہوں۔ تم لوگوں کے لیے ایسی کتاب لکھو۔ جس سے وہ فائدہ اٹھائیں۔ نہ اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نرمیاں ہوں اور نہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سختیاں اور جو لوگوں کے لیے تصنیف و تالیف کی راہ کھول دے۔'' حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''قسم بخدا! مجھے ابوجعفر نے آج تصنیف کا فن سکھا دیا۔''

(مقدمہ ابن خلدون۔ ترجمہ اردو صفحہ نمبر ۴۱ مطبوعہ نور محمد کراچی)

تطبیق کی نئی صورتیں:

ہمارے خیال میں عدم جواز مزارعت کی احادیث نہ تو منسوخ ہیں اور نہ ہی محض استحباب کے درجہ پر ہیں بلکہ ان دونوں طرح کی احادیث میں تضاد کی اصل وجہ حالات کا اختلاف ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ اس طرح کا ایک اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَسَّ ذَكَرَه، فَلَا يُصَلِّ حَتّٰى يَتَوَضَّأُ))(رواه الخمسة)

ترجمہ: ''جس شخص نے اپنے ذکر کو چھوا تو وہ وضو کیے بغیر نماز نہ پڑھے۔''

اور طلق بن علی کی حدیث کے مطابق (جسے ابوداؤد' ترمذی' نسائی، ابن ماجہ، احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا هُوَ بِضْعَةٌ مِنْكَ)) (نیل الاوطار ج۵ صفحہ نمبر ۲۲۹)

ترجمہ: ''وہ بھی تو تمہارے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔''

ان دونوں قسم کی متضاد روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلی روایت میں ایک عام اصول بیان کیا گیا ہے جبکہ دوسرا ارشاد صرف اس (پوچھنے والے جیسے) بوڑھے سے متعلق ہے جس کی شہوت ختم ہو چکی ہو۔ اس طرح یہ دونوں احادیث حالات سے متعلق ہو کر قابل عمل رہتی ہیں' تو جس طرح اس مثال میں بالکل متضاد حکم مختلف حالات میں درست اور قابل عمل رہتے ہیں' یہی صورت مزارعت کے سلسلہ میں بھی پیش آ سکتی ہے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ کاشت کاری صرف تنومند اور طاقتور آدمی ہی کر سکتے ہیں جبکہ زمین کے مالک قانون وراثت کی رو سے بچے، بوڑھے، عورتیں اور کمزور و ناتواں بھی ہو سکتے ہیں اور مفلس و نادار بھی۔ بچے، بوڑھے اور کمزوروں کے مالک زمین ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ دوسروں سے کاشت کرانے کی اجازت ہو اور مفلس و نادار ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں اس کا کچھ صلہ بھی ضرور ملنا چاہیے۔ لہٰذا ہمارے خیال میں:

۱۔ اگر مالک زمین مفلس و تنگ دست ہے تو وہ اپنی زمین بٹائی پر بھی دے سکتا ہے اور ٹھیکہ یا نقد کرایہ پر بھی۔ شرط صرف یہ ہے کہ ان میں بٹائی کی یا کرایہ طے کرنے کے سلسلہ میں کوئی شرط ایسی نہ ہو جو شرعاً نادرست ہو۔

۲۔ اگر مالک زمین صاحب حیثیت ہے اور کاشت کار مفلس و قلاش ہے تو بٹائی اور ٹھیکہ سب کچھ ناجائز ہوگا۔ اس صورت میں مالک زمین کے لیے لازم ہے کہ ہدیۃً

اپنے مسلمان بھائی کو زمین کاشت کے لیے دے دے اور کرایہ یا حصہ کچھ بھی نہ لے۔

۳۔ اگر مالک زمین بھی حاجت منداور مفلس ہو اور کاشت کار بھی یا اس کے برعکس مالک زمین بھی کھاتا پیتا آدمی ہے اور کاشت کار بھی تو اس صورت میں استحباب یہ ہے کہ کاشت کار کو زمین مفت دی جائے۔ اگر مالک زمین ایسا نہ کر سکے اور بٹائی یا کرایہ وصول کرنا چاہے تو بھی جائز ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین خود کاشت نہیں کر سکتا اور دوسرے کو بھی مفت برائے کاشت نہیں دیتا۔ اس کی وجہ خواہ یہ ہو کہ وہ اپنے آپ میں اتنا ایثار کا جذبہ نہ رکھتا ہو یا کاشت کار کے زمین پر قبضہ جما بیٹھنے کا خطرہ ہو یا کوئی اور وجہ ہو تو پھر احادیث میں تیسری صورت کی دو شکلیں بیان کی گئی ہیں:

الف. فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ. (بخاری۔ مسلم)

یعنی مالک زمین اپنی زمین کو پڑا رہنے دے۔ اس پڑا رہنے دینے میں بھی زمین میں کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا مثلاً گھاس، جھاڑیاں، جڑی بوٹیاں اور ایندھن یا درخت وغیرہ۔ ان کا بھی انسانوں یا حیوانوں کو فائدہ پہنچے گا اور اگر مالک زمین کو کچھ نقد وصول نہیں ہوتا تو کم از کم اس کی طرف سے صدقہ ضرور شمار ہو گا۔ علاوہ ازیں ایسی پڑی ہوئی زمین اگلے سال زیادہ فصل اگانے کے قابل بن جائے گی۔

ب۔ (فَلْيَدَعْهَا) (مسلم۔ کتاب البیوع۔ باب کراء الارض)

یعنی مالک زمین اس زمین کو چھوڑ دے یا بالفاظ دیگر ایسی زمین سے دستبردار ہو جائے جس کی صورت ہمارے خیال میں مناسب یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ اگر تین سال تک زمین پڑی رہتی ہے اور اس کو آباد کرنے کی کوئی صورت اس کے سامنے

نہیں آتی تو اسے ایسی زمین کی ملکیت ہی سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔ خواہ وہ اسے فروخت کر دے(۱) یا ہدیۃً کسی مسلمان بھائی کو دیدے۔ بصورت دیگر حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ ایسی زمین مالک زمین (جسے حکومت نے زمین عطا کی) سے زبردستی واپس لے لے۔

ایک اہم سوال؟ اس مسئلہ پر ایک اور پہلو سے بھی غور کرنا ضروری ہے۔ یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عہد نبوی ﷺ، صدیقی، فاروقی، عثمانی میں بٹائی کا سلسلہ بھی چل رہا تھا اور زمین کو کرایہ پر دینے کا بھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں یہ عدم جواز مزارعت کا مسئلہ یک لخت کیوں اٹھ کھڑا ہوا؟ اور اٹھا بھی اس شدت سے کہ اکثر لوگ اس مسئلہ پر چہ میگوئیاں کرنے لگے حالانکہ احادیث بھی وہی تھیں جو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنی تھیں یا ایک آدھ واسطہ سے سنی تھیں۔ یہ جو رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ' جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم دورِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں عدم جواز مزارعت کی حدیثیں سنانے لگے تھے۔ انہوں نے اس سے بیشتر دور نبوی ﷺ یا صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہی کیوں نہ یہ حدیثیں نشر کیں؟

جہاں تک میں نے اس مسئلہ پر غور کیا ہے مجھے یہی معلوم ہوا کہ عہد

۱۔ ابورافع بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے خاندان کو ایک زمین عطا کی تھی جسے وہ آباد نہ کر سکے تو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسے ۸ ہزار دینار میں فروخت کر دیا۔ (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ نمبر ۴۵)

نبوی ﷺ، صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسی عدم جواز مزارعت کی احادیث گاہے گاہے بیان ضرور ہوتی ہوں گی مگر ان کے چرچا کی ضرورت پیش ہی نہیں آئی۔ ان ادوار میں مسلمانوں میں ایثار کا جذبہ موجود تھا۔ لوگ اگر اپنی فاضل زمین بٹائی یا کرایہ پر دیتے تھے تو ایسے بھی موجود تھے جو اپنے بھائی کو مفت زمین دے دیتے تھے۔ مسلمانوں میں افراط زر کا مسئلہ دور عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں پیدا ہوا۔ اس افراط کی وجہ کا ذکر پہلے کر آئے ہیں۔ اس دور میں جب مسلمانوں میں وافر دولت آ گئی تو فاضلہ دولت سے مسلمانوں نے دھڑا دھڑ زمینیں خریدنا شروع کر دیں۔ اس طرح جہاں ایک طرف جاگیر داری میں اضافہ ہوا وہاں دوسری طرف مسلمانوں نے جواز کا سہارا لے کر محتاج و مفلس کاشت کاروں کو بھی اپنی زمین مفت میں دینا یکسر بند کر دیا۔ اس دوہرے عمل نے جب طبقاتی تقسیم کو اور بھی جلا بخشی اور زمین کی قیمت کے ساتھ ساتھ غلہ کی قیمت بھی آسمان سے باتیں کرنے لگی اور محتاج و نادار کو غلہ خرید کر اپنے کنبہ کی پرورش کرنا بھی مشکل ہو گیا تو ہمارے خیال میں یہی عین مناسب وقت تھا کہ عدم جواز مزارعت کی احادیث کو پوری قوت کے ساتھ نشر کیا جاتا۔ لہٰذا عین مناسب وقت پر پانچ سات بزرگ صحابہ نے حق بات لوگوں تک پہنچا دی اور صرف ایسی احادیث کا پرچار کیا جو بالکل درست اور موقع کے لحاظ سے وہی قابل عمل تھیں مگر چونکہ مزارعت کو یکسر حرام نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے عدم جواز مزارعت کی احادیث کی توجیہات تلاش کی جانے لگیں اور ان توجیہات سے امت کی اکثریت نے اپنے آپ کو مطمئن کر لیا۔ مسلمان ایثار اور عزیمت کی افضل اور بلند تر سطح سے نیچے اتر آیا اور جواز کا سہارا لے کر ہمیشہ کے لیے اسی پر قناعت کر لی چنانچہ آج تک یہی دستور چلا آ رہا ہے۔

مراجع ومصادر

۱۔قرآن مجید		
۲۔کتب احادیث حسب ضرورت		
۳۔تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر	نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔کراچی
۴۔مقدمہ ابن خلدون	علامہ ابن خلدون	نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔کراچی
۵۔منتقی الاخبار	امام ابن تیمیہ	دارالدعوۃ السّلفیہ شیش محل روڈ۔ لاہور
۶۔نیل الاوطار	امام شوکانی	ریاسۃ ادارات البحوث۔مکہ مکرمہ
۷۔فقہ السنۃ	السید سابق	داراحیاء التراث الاسلامی۔بیروت
۸۔اسلام میں عدل اجتماعی	سید قطب شہید ترجمہ نجات اللہ صدیقی	اسلامک پبلی کیشنز چوک رنگ محل۔ لاہور
۹۔مسئلہ ملکیت زمین	مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ	اسلامک پبلی کیشنز چوک رنگ محل۔ لاہور
۱۰۔اشتراکیت اسلام کی نظر میں	چوہدری افضل حق	کلاسیک۔مال روڈ۔لاہور
۱۱۔اسلام میں گردش دولت	پروفیسر ابوبکر غزنوی	یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی۔ لاہور
۱۲۔دولت مند صحابہ	عبدالمجید سوہدروی	فاروقی کتب خانہ۔اردو بازار۔ لاہور
۱۳۔انسائیکلوپیڈیا		فیروز سنز لمیٹڈ۔لاہور

اسلامی نظام معیشت میں سادگی اور کفایت شعاری کا مقام

موجودہ معاشی مصائب کا واحد حل سوشلزم نہیں، اسلام ہے!

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی مرحوم

(محترم والد صاحب کا یہ مضمون ترجمان الحدیث نومبر، دسمبر 1974 کے دوشماروں میں قسط وار طبع ہوا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ہر طرف سوشلزم کے حق میں نعرے لگائے جاتے تھے۔ اور سوشلزم کو ہی اپنا مقصد حیات سمجھا جاتا تھا۔ قارئین کے افادہ کی خاطر معمولی ردوبدل کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے (ناشر)

اسلامی نظامِ معیشت ایک مستقل نظام ہے۔ اس وقت ہم اسلامی نظام معیشت کی صرف ایک شق سادگی اور کفایت شعاری پر بحث کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اس نظام کے کسی ایک جزو پر ہی عمل کرلیا جائے تو ایسے فوائد کثیرہ اور برکاتِ وافرہ سے ہم اپنا دامن بھر سکتے ہیں جن کا حصول کسی دوسرے نظام کو مکمل طور پر اپنا لینے کے بعد ناممکن ہے۔۔۔!

کچھ ہی سال قبل جو لوگ ''سوشلزم ہماری معیشت ہے'' کا نعرہ لگا رہے تھے'' ان کی خدمت میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ''سوشلزم'' تو بذاتِ خود ایک مستعار نظام ہے جس کی نظریاتی بنیاد ''اسلامی مساوات'' پر رکھی گئی ہے اور اگر کہیں نظریہ کے ساتھ ساتھ اس کا طریق کار اور لائحہ عمل بھی اسلامی مساوات کے اصولوں کے تابع ہوتا تو کم از کم اسے اسلامی نظامِ معیشت کا ایک حصہ سمجھ کر ہی اپنا لینے میں کوئی باک محسوس نہ کرتے۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اس مستعار نظام کا طریق کار اسلامی اصولوں سے اس قدر تضاد رکھتا ہے کہ اس کا نظریہ بھی (جو اپنی اصلی حالت میں شاید

درست ہوتا) باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلامی نظام حیات کے ہر پہلو نے، غیر مسلموں سے، ہر دور میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ اگرچہ اپنی روایتی اسلام دشمنی کے پیش نظر انہوں نے ہمیشہ اس نظام کو، اس کی اصلی حالت میں، اور اسی نام سے، اپنا لینے میں اپنی ہتک محسوس کی ہے۔ تاہم عرب کے وسیع ریگزاروں سے پھوٹنے والے برکات ومحاسن کے ان سرچشموں سے محروم رہنا بھی ان کے لیے بے حد صبر آزما تھا جو پوری اسلامی دنیا کو سیراب کر رہے تھے، اس لئے انہوں نے اس نظام کے بعض حصوں کو، ان میں تھوڑی بہت تحریف کر کے اور اپنی طرف سے کوئی نیا نام دے کر اپنا لیا۔۔۔ سوشلزم بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔۔۔ اور اگر یہ درست ہے (اور یقیناً درست ہے) تو ان لوگوں کی حالت پر رحم آنے لگتا ہے جو اپنے گھر کے بیش قیمت خزانوں سے آنکھیں بند کر کے اغیار کی جھولی کے خیراتی ٹکڑوں کی طرف للچائی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں مصنف نے اسلامی نظام معیشت کے چند ایک پہلوؤں کو اجاگر کر کے جہاں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ نظام ہمارے لئے رحمت کی گھٹاؤں کا پیغام لا سکتا ہے وہاں یہ بھی واضح کیا ہے کہ سوشلزم ایک ایسی آندھی ہے جس میں چھپی ہوئی بجلیاں ہماری زیست کو جلا کر راکھ کا انبار بنا سکتی ہیں............ اکرام اللہ ساجد

اسلامی نظام معیشت کا ایک اہم اصول سادگی اور کفایت شعاری ہے جس طرح اسلام کسبِ حلال پر زور دیتا ہے اور ہر حرام ذریعہ سے آمدنی حاصل کرنا ناجائز

قرار دیتا ہے اسی طرح (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر) اپنی حلال کمائی کو ڈھنگ سے خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے خرچ کرنے میں جو اہم اصول پیش نظر رکھنے کی تلقین ہے وہ اقتصاد ہے جسے دوسرے لفظوں میں ہم اعتدال کا نام دے سکتے ہیں۔یعنی ہر جائز ضرورت پر پورا پورا خرچ کرنا کہ نہ تو بخل سے کام لیا جائے اور نہ ہی تعیّشات پر خرچ کیا جائے۔اسلام میں یہی پسندیدہ ہے۔مومنوں کی صفت قرآن کریم میں یہ بیان کی گئی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾

"کہ (ایماندار لوگ وہ ہیں) جو خرچ کرتے وقت نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں اور میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔"

اسلام نے امت مسلمہ کو "امة مقتصدة" (افراط و تفریط سے ہٹ کر درمیانی راہ پر چلنے والی امت کے نام سے یاد کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"خیر الامور اوساطها" کہ بہترین کام میانہ روی ہے۔

لہذا اگر کوئی شخص اپنے حق سے زیادہ لینے کے کوشش کرے تو اسلام کی نظر میں یہ خود غرضی اور لالچ ہے کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو باعثِ فساد اور انسان کو ظلم کی راہ پر گامزن کرنے والی ہے۔مقولہ مشہور ہے کہ زر، زن اور زمین دنیا میں جھگڑے اور فساد کی جڑ ہیں۔لیکن اگر غور کیا جائے تو ان سب میں بھی خود غرضی ہی جزو مشترک نظر آتی ہے۔اور یہ خود غرضی ایسی چیز ہے جو انسان کو اسراف (یا بسا اوقات بخل) کا عادی

بنا دیتی ہے جسے قرآن کریم میں نہ صرف ممنوع قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کے مرتکب افراد کو ''اخوان الشیاطین'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا. اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾

ترجمہ: ''رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔''

اسلام اس حد تک اجازت تو دیتا ہے کہ انسان اپنا حق وصول کرے لیکن اس سے زیادہ نہ لے، نہ لینے کی کوشش کرے۔ یہی چیز عدل ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے حق سے کلیتاً دستبردار ہو جائے تو دنیا میں مادی ترقی کی رفتار ختم ہو کر رہ جائے اور اسلام اسے ''رہبانیت'' کا نام دیتا ہے جو اس کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اختیار رکھنے کے باوجود بھی اپنا حق کم وصول کرے یا اپنے دوسرے بھائی کو زیادہ دے دے تو یہ ایثار ہے۔

کفایت شعاری کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات پر کم خرچ کرے اور خود بچت کر کے اپنے سے مفلس لوگوں کی طرف وہ بچت منتقل کرے تاکہ خود غرضی کا قلع قمع ہو اور ایثار کی عادت بڑھے۔ اور اس ایثار کا بلند تر درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ضرورت کو بھی پس پشت ڈال کر دوسرے بھائی کی ضرورت پوری کرے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

''اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ وہ محتاج ہوں''۔

رہی یہ بات کہ اپنے جائز حق کی تعیین کیا ہو تو اس کے متعلق قرآن مجید کا حکیمانہ ارشاد یہ ہے:

﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾

''کہ انسان خواہ کتنی ہی معذرتیں کرے، وہ اپنے نفس (کے معاملات) کو خوب پہچانتا ہے۔''

انسان کا ضمیر اس کے اپنے حق میں بالکل جائز اور درست فیصلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ انسان اس ضمیر کو مسخ کر کے ڈھیٹ پن کا ثبوت نہ دے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات عیاں ہے کہ سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ (معاشی اور معاشرتی طور پر) گہرا تعلق ہے۔ تاریخِ اسلام میں سے متعدد مثالیں کفایت شعاری کے متعلق پیش کی جا سکتی ہیں۔

جنگ احزاب کے بعد مسلمان مالِ غنیمت کی وجہ سے پہلے کی نسبت کافی آسودہ حال ہو گئے تو دیگر مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ازواجِ مطہرات نے بھی زیورات اور نان نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ کو اس مطالبہ سے سخت گھٹن محسوس ہوئی اور آپ ﷺ پورے ایک ماہ کے لئے گھر سے مسجد کے بالا خانے میں منتقل ہو گئے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس صورتِ حال سے سخت پریشان تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیٹیوں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو الگ الگ

سمجھاتے تھے مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔ بالآخر خدائی احکام نے اس تنازعہ کا دوٹوک فیصلہ کر دیا۔ اور یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا. وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

ترجمہ: ''کہ اے نبی ﷺ اپنی ازواج (مطہرات) سے فرما دیجیے کہ اگر تم دینا اوراس کی زینت چاہتی ہوتو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقہ سے رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ اوراس کے رسول ﷺ اور دارِ آخرت کی طالب ہوتو جان لو کہ تم میں سے جو نیکو کار ہیں اللہ نے ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

اب ازواج کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہے تو سامان دنیا لے لیں پھر انہیں مناسب طریقہ پر ان کے گھروں کو روانہ کر دیا جائے گا اور چاہے تو نبی کریم ﷺ کی مرضی کے مطابق ان کے ساتھ سادگی سے زندگی بسر کرلیں ----- غور فرمائیے، کیا ازواج مطہرات، امہات المومنین کا یہ مطالبہ ناجائز تھا؟ خصوصاً جبکہ اکثر مسلمان آسودہ حال ہو چکے تھے۔

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ بالا خانہ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، کیا دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی صف پر لیٹے ہوئے ہیں اور انہی پتوں

سے بھرا ہوا تکیہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ جسم مبارک پر صف کے نشان پڑ گئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس منظر سے آب دیدہ ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (فداہ ابی وامی) قیصر و کسریٰ تو اللہ کے باغی ہو کر عیش کریں اور آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہو کر بھی اتنی پر مشقت زندگی بسر کریں۔ کیا ہم آپ کے لئے بھی قیصر و کسریٰ کا سا سامان راحت نہ مہیا کر دیں۔ لیکن آپ ﷺ نے "الفقر فخری" کہہ کر اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ حالانکہ یہ وہ دور تھا جبکہ مدینہ میں اسلامی سٹیٹ قائم ہو چکی تھی، عرب کا کافی حصہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا اور آپ ﷺ کی قیادت میں نظام معیشت بھی کافی مستحکم اور مضبوط ہو چکا تھا۔

حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں بیٹھ کر غنیمت سے حاصل ہونے والے غلام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہاں تشریف لاتی ہیں اور اپنے والد محترم کو (اپنے چکی پیس پیس کر اور پانی ڈھو ڈھو کر گھسے ہوئے ہاتھ دکھا کر) عرض کرتی ہیں کہ مالِ غنیمت میں سے سب کو حصہ مل کر رہا ہے تو ایک غلام مجھے بھی عنایت فرما دیجیے لیکن آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خالی ہاتھ واپس بھیج دیا اور فرمایا کہ گھر پر میرا انتظار کرنا۔ بعد ازاں آپ ﷺ وہاں سے فراغت پا کر اپنی صاحبزادی کے گھر پہنچے اور فرمایا۔

"بیٹی! کیا میں تمہیں ایسا وظیفہ نہ بتاؤں جو غلام حاصل کرنے سے بہتر ہے۔ تم ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۴ بار اللہ اکبر رات کو سوتے وقت پڑھ لیا

کرو''۔

غور فرمائیے، آخر یہ سب کفایت شعاریاں حضور اکرم ﷺ اپنی ذات اور اپنے گھر والوں پر کیوں لازم قرار دے رہے ہیں؟

اسی طرح ایک دفعہ آپ ﷺ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاؓ کے ہاں تشریف لائے تو ایک پردہ پڑا ہوا دیکھ کر فوراً واپس چلے گئے اور فرمایا کہ ''انسان درودیوار کی نسبت کپڑے کے زیادہ حقدار ہیں۔

خلفائے راشدہ کے دور سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو اپنے گزارہ کے لئے بیت المال میں سے ایک متوسط درجہ کے مزدور کا روزینہ یعنی چار درہم کی رقم لینی منظور کی۔ ایک دن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے اس قلیل رقم میں کچھ بچت کر کے حلوہ پکا لیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ اس حلوہ کے لئے پیسے کہاں سے آئے؟ اور جب بیوی نے صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا روزینہ کم کر دیا----- یہ اس شخص کا حال ہے جو خلافت سے پہلے کپڑے کا تاجر تھا اور آپ کا شمار متمول لوگوں میں ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سادگی سب سے بڑھ کر ہے۔ قیصرِ روم کا سفیر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے کے لئے آیا لوگوں سے پوچھا، تمہارے خلیفہ کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ بیرون شہر فلاں درخت کے نیچے آرام فرما ہیں۔ دیکھا تو ایک معمولی آدمی ننگی زمین پر لیٹا سو رہا ہے۔ سمجھا کہ شاید لوگوں نے مجھے غلط پتہ دیا ہے۔ دوبارہ جا کر پوچھا، اس دفعہ بھی اسے وہی خبر دی گئی۔ وہ اسی درخت کی طرف واپس آیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیدار پایا۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی

آنکھیں چار ہوئیں تو تھر تھر کانپنے لگا۔ اب اسے یقین آیا کہ یہی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو مملکتِ اسلامیہ کے سربراہ ہیں جن کی ہیبت سے قیصرِ روم وہاں بیٹھا بھی کانپ اٹھتا ہے۔ لیکن سادگی کا یہ عالم ہے کہ ۲۲ لاکھ مربع میل کے وسیع وعریض رقبہ پر حکم چلانے والے خلیفہ کی قمیص میں ۱۲ پیوند لگے ہوئے ہیں اور تکیہ کا کام اپنے دُرّہ سے چلا رہے ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں بیت المقدس پر چڑھائی ہوئی اور عیسائی محصور ہو گئے۔ محاصرہ نے طول کھینچا تو عیسائیوں نے اسلامی سپہ سالار سے مطالبہ کیا کہ اپنے خلیفہ کو بلاؤ ہم ان کے ساتھ معاہدہ کریں گے۔ اس مطالبہ پر آپ رضی اللہ عنہ اس سفر پر روانہ ہو گئے۔ سفر میں ایک اونٹ اور ایک غلام آپ کے ساتھ تھا۔ اونٹ پر باری باری سفر کرتے تھے۔ اتفاق کی بات کہ جب بیت المقدس پہنچے تو اپنی باری کے مطابق غلام اونٹ پر سوار تھا۔ اسی عالم میں شہر میں داخل ہوئے۔ عیسائیوں نے جب یہ منظر دیکھا کہ خلیفہ اونٹ کی مہار تھامے پیدل چلا آرہا ہے اور غلام اونٹ پر سوار ہے تو انہوں نے بغیر کسی بات چیت کے اطاعت قبول کر لی۔ دراصل وہ یہی کچھ دیکھنا چاہتے تھے کہ فاتح بیت المقدس کی جو علامات ان کی کتابوں میں درج ہیں، آیا وہ خلیفہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود ہیں یا نہیں؟ اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا تو فوراً اطاعت قبول کر لی۔

بصرہ کے والی (گورنر) نے اپنے لئے پختہ مکان بنوا لیا اور ایک ڈیوڑھی بھی بنوا لی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خبر سے تنگی محسوس ہوئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاصد بھیج کر اسے ہدایت کی کہ وہاں پہنچ کر گورنر کو کچھ کہے بغیر اس کے مکان کو

آگ لگا دینا چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ایک گورنر کے متعلق شکایت ملی کہ اس نے دروازے پر دربان رکھ لیا ہے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس گورنر کو اسی جرم کی پاداش میں معزول کر دیا۔

اب حضرت عمر بن عبدالعزیز .... کے دور کی طرف آیئے۔جو خلافت سے قبل بڑے ہی خوش پوش تھے۔ ہر روز نئی پوشاک بدلتے تھے اور نہایت قیمتی گھوڑوں کی سواری کرتے تھے۔لیکن خلافت کے بعد انتہائی سادگی کو اپنا لیا، اپنی ساری جاگیریں بیت المال میں جمع کرا دیں اور ان کی دستاویزات پھاڑ کر پھینک دیں۔اپنی بیوی حضرت فاطمہ سے فرمایا، میرے ساتھ رہنا ہے تو سارا زیور اور سارا قیمتی سامان بیت المال میں جمع کرانا ہوگا ورنہ اپنے میکے چلی جاؤ۔اس وفا شعار بیوی نے اپنا سب کچھ بیت المال میں جمع کرا دیا اور خود سادگی سے رہنا منظور کر لیا۔ایک دفعہ ایک غریب عورت ان کے گھر آئی اور عرض کیا، مجھے دو بیٹیوں کا نکاح کرنا ہے۔ بیت المال سے میرے مالی تعاون کے لئے خلیفہ سے سفارش کیجیے۔اس عورت نے دیکھا کہ گھر میں ایک شخص لپائی کے لئے مٹی تیار کر رہا ہے اور وقتاً فوقتاً حضرت فاطمہ کو دیکھ بھی لیتا ہے۔اس عورت نے حضرت فاطمہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے جو آپ کو اس طرح گھور گھور کر دیکھتا ہے۔ حضرت فاطمہ نے مسکرا کر جواب دیا کہ یہی تو خلیفۃ المسلمین ہیں۔حضرت عمر بن عبدالعزیز عورت کی عرض تو پہلے ہی سن چکے تھے۔ اس کی امداد کے لئے آرڈر دیا۔وہ بہت ممنون ہوئی اور خوشامد کر کے کچھ مزید امداد کا مطالبہ کر دیا جس سے آپ نے یکسر انکار کر دیا اور فرمایا، ”پہلے جو کچھ میں دیا تھا، محض اللہ کی رضا کے لئے تھا اور اب میں اپنی خوشامد کے عوض مسلمانوں کا مال ضائع نہیں کرنا

چاہتا۔''

کیا یہ چند ایک واقعات اسلامی زندگی کا پہلو نہیں؟ یہ پہلو آج کل کہاں نظر آتا ہے ،اور اگر نظر نہیں آتا تو کیا واقعی یہ یکسر فراموش کر دیئے جانے کے قابل ہے؟ کیا یہ طرز عمل اسلام نے صرف امراء اور احکام کے لئے مخصوص رکھا ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ ''النـاسُ عـلىٰ دينِ مُلُوكِهم '' کے مصداق عوام اپنے امراء کی دیکھا دیکھی اور امراء، مندرجہ بالا امثلہ کی روشنی میں، سادگی اور کفایت شعاری کو اپنا لیں تو معاشرہ سے بے شمار برائیاں مثلاً ، چوری، ڈاکہ زنی، لوٹ مار اور بددیانتی وغیرہ ختم ہوسکتی ہیں۔ تاہم انفرادی طور پر بھی کفایت شعاری کے فوائد کچھ کم نہیں۔

اس کے برعکس اگر ایک شخص اپنی آمدنی کے لحاظ سے یا اس سے بڑھ کر اپنی خوراک یا رہائش وغیرہ پر نمائش کے لئے خرچ کرتا ہے تو کیا اس سے نچلے طبقے کے لوگ ''ریس'' کا شکار ہو کر یہی کچھ کرنے کی کوشش نہ کریں گے جبکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ ''لا يسئم الانسان من دعاء الخير ''(انسان کبھی بھلائی کی دعا مانگتے نہیں تھکتا) لہٰذا ہر شخص سامان تعیش کے حصول کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ وغیرہ ضرور استعمال کرے گا جس کے نتیجہ میں، معاشرہ میں ایسی ہی برائیوں کا رواج پا جانا ناگزیر ہے، جن کا آج ہم شکار ہیں۔

خلافت راشدہ کے دور میں ہمیں ایک واقعہ ایسے مالدار اور بخیل شخص کے متعلق بھی ملتا ہے جو دوسروں کے کام تو کیا آتا، اپنی ذات پر کچھ خرچ نہ کرتا تھا۔ اس کی ظاہری ہیئت دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ خیرات کا سب سے مستحق یہی ہے۔ اس کے پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تمہیں خدا نے دیا

ہے تو اسے استعمال کیوں نہیں کرتے؟ یہ تو خدا کی ناشکری ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمت کا بالکل مظاہرہ ہی نہ ہو۔''

آج کل نمود و نمائش کے دلدادہ اور مسرفین اپنے اسراف کے حق میں مندرجہ بالا واقعہ ہی پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسے لوگ آج بھی معاشرہ میں موجود ہیں اور تقریبا ہر ایک کو ان کا پتہ ہے۔ ایسے لوگ دوسری انتہا کو پہنچے ہوتے ہیں۔ اسلام میں ایسی رذالت اور بخل بھی گوارا نہیں ۔ اسلام سادگی' صفائی اور کفایت شعاری کا ضرور حامی ہے لیکن بخل ایک گناہِ عظیم ہے خواہ دوسروں کے حق میں ہو یا اپنے حق میں۔

کفایت شعاری سے انسان میں وہ ایثار پیدا ہوتا ہے جس سے وہ اپنی ضرورت بھی پس پشت ڈال کر اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اس صحابی کا کردار' جس کے حق میں یہ آیت ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ نازل ہوئی' کتنا بلند تھا۔ جس نے رات کے وقت اپنے گھر میں موجود تمام سامانِ خورد و نوش اپنے مہمان کے حوالے کر کے چراغ گل کر دیا اور اندھیرے میں مہمان پر یوں ظاہر کیا جیسے وہ بھی اس کے ساتھ کھا رہا ہے۔ ادھر بیوی نے بچوں کو بہلا پھسلا کر بھوکا ہی سلا دیا۔

اور اس سے بھی بڑھ کر میدانِ جنگ میں زخموں سے چور صحابہ کا وہ منظر ہے جبکہ نزع اور شدید پیاس کے عالم میں بھی پانی کا پیالہ اپنے دوسرے بھائی کو پیش کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ پانی کا صرف ایک ہی پیالہ تھا۔ ایک بھائی نے دوسرے کو' دوسرے نے تیسرے کو پیش کرتے کرتے بالآخر سات صحابہ نے اپنی جان'

جانِ آفرین کے سپرد کردی۔لیکن اس عالم میں بھی ہر ایک کو اپنے دوسرے بھائی کا خیال اپنی نسبت زیادہ رہا۔

طبقاتی تفاوت کو دور کرنے کے لیے اسلام نے کئی طریقے اختیار کیے ہیں۔ بڑے بڑے عوامل، زکوۃ اور میراث جیسے فرائض ہیں لیکن ان کا تعلق محض انفرادی نہیں بلکہ اسلامی حکومت سے بھی ہے۔جبکہ زیرِ نظر مضمون انفرادی حیثیت رکھتا ہے اور نتائج کے لحاظ سے نہایت مفید اور موثر! جہاں معاشرہ میں ایثار اور ایک دوسرے کا احساس ہوگا وہاں مروت، ہمدردی، تشکر اور اخوت جیسے اخلاقِ جلیلہ کو فروغ ملے گا اور قومی یک جہتی کی راہ ہموار ہو کر ملک وملت بنیان مرصوص کی مثال بن جائے گا۔

لیکن جب اسلامی اقدار کی ایک ایک کر کے مٹی پلید کی جانے لگی تو سادگی اور کفایت شعاری کی جگہ معیارِ زندگی کو بلند کرنے کا جنون ہر چھوٹے بڑے کے ذہن میں کلبلانے لگا اور حضور اکرم ﷺ کا وہ ارشاد پورا ہوا کہ معاشرہ میں جب ایک برائی جنم لیتی ہے تو ایک اچھائی اٹھالی جاتی ہے۔امیروں نے اپنا معیارِ زندگی یوں بلند کیا کہ تعیش کا سامان آہستہ آہستہ ضروریاتِ زندگی میں شامل کرلیا اور پھر اشیائے ضرورت بڑھیا سے بڑھیا معیار کی حاصل کی جانے لگیں۔اخراجات کے اس اضافے کو انھوں نے غریبوں کی مدد سے ہاتھ کھینچ کر استحصال سے سمگلنگ، ملاوٹ اور ہیرا پھیری سے پورا کرنا شروع کیا۔ایک دوسرا طبقہ جو دفتری کارروائی سے تعلق رکھتا تھا۔وہاں رشوت کا بازار گرم ہوا، غنڈہ عناصر نے لوٹ کھسوٹ، چوری اور ڈاکہ کو اپنا شعار بنالیا۔اب بھلا غریب طبقہ اس تقابل وتفاخر کی دوڑ میں کیسے پیچھے رہ سکتا تھا۔وہاں یہ کام پوری بددیانتی، نادہندگی اور کئی طریقہ کے مکروفریب سے

پورا ہونے لگا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ معاشرہ کا ہر فرد خود غرضی میں شائیلاک کا نمونہ پیش کرنے لگا۔ قرضِ حسن جو ایک بہت بڑی نیکی تھی ایک بڑا عیب بن گیا۔ بعض تو یہاں تک کہہ گئے Lending Money Is The Surest Way Of Loosing The Friend یعنی قرض دینا' دوست کھونے کا یقینی ذریعہ ہے...... اور اس کی جگہ سودی نظام نے لے لی۔ سود جیسی لعنت کو خود غرض طبیعتوں نے صرف گوارا کر لیا بلکہ تجارت کی طرح اسے عین حق سمجھا جانے لگا۔ اس سودی نظام نے اس طرح پوری اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ ذہن تک بدل گئے اور خود علماء میں سے ایک ماڈرن طبقہ تجارتی سود کی حلت کا فتویٰ دینے لگا۔

اب صورتِ حال یہاں تک بگڑ چکی ہے کہ اگر کوئی آسودہ حال شخص دین پر عمل پیرا ہوتے ہوئے سادگی اور کفایت شعاری کو اپنانا بھی چاہے تو ہر کہ ومہ اس کو کنجوس اور احمق کا طعنہ دے کر معاشرہ کی عام ڈگر پر چلنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ایسے دیندار لوگ جو غریبوں کی مدد کرنا چاہیں وہ بسا اوقات سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جن حضرات کی یہ مدد کرنا چاہتے ہیں وہ اس امداد سے اپنی ضرورت پوری کریں گے یا اس سے اپنے جذبۂ نمود و نمائش کو فروغ دیں گے۔

موجودہ دور میں ہم نے ان سب خرابیوں کا حل اسلام کی بجائے سوشلزم میں سمجھ لیا ہے۔ بھلا کون ہر وقت آخرت اور اللہ کے ہاں جواب دہی کی فکر لگائے رکھے اور کیوں اپنے آپ کو نفسانی خواہشات مثل زنا' چوری اور مکر و فریب سے بچائے۔ کیوں موجودہ ثقافت اور تفریحی پروگرام' سینما بینی' کلبوں اور آزادانہ اختلاط سے اپنے آپ کو سمیٹے رکھے۔ پھر یہ بے جان سی نماز اور روزہ کی پابندی

بھی مادی ترقی کی دوڑ میں ہمارا کیا سنوارتی ہے جبکہ روٹی کپڑے اور مکان کے مسائل حدود و قیود کے بغیر بھی سوشلزم کے ذریعے حل ہو سکتے ہیں تو پھر اسلام جیسے فرسودہ اور تکلیف دہ نظام کی ضرورت ہی کیا ہے۔ لیکن ہم چونکہ مسلمانوں کی اولاد ہیں اور اتنی جرأت ہم میں نہیں کہ ہم اسلام سے دستبرداری کا اعلان کر سکیں۔ اس لیے چاروناچار زندگی کے کسی نہ کسی شعبے میں اسلام کا نام لینے پر مجبور ہیں۔ لہذا ہم نے نعرہ لگایا کہ:

اسلام ہمارا مذہب ہے۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے دوسرے الفاظ میں ہم اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات رسماً اور تبرکاً سمجھتے ہیں۔ ورنہ عملی طور پر موجودہ دور میں سوشلزم کو اسلامی اقتصادی نظام سے بہتر اور مغرب کے طرزِ جمہوریت کو اسلام کے سیاسی شورائی نظام سے برتر سمجھتے ہیں۔ جب تک ان پیوندکاریوں سے کام نہ لیا جائے۔ اسلام ناقص اور موجودہ حالات میں کام دینے کے قابل نہیں ہے۔ یہ اسلام بس گھر اور مسجد تک ہی کافی ہے۔

اسلام اور سوشلزم دونوں اصلاحِ حال کے لیے بالکل الگ الگ طرز اختیار کرتے ہیں۔ اسلام جب معاشی تفاوت کو دور کرنے کی راہ ہموار کر رہا ہوتا ہے تو معاشرہ میں احساسِ مروت' ہمدردی' اخوت اور ایثار جیسے اخلاق جمیلہ ابھر آتے ہیں لیکن جہاں سوشلزم کی آمد آمد ہو وہاں خودغرضی 'لوٹ کھسوٹ 'غصب وغبن' ماردھاڑ' ڈاکہ' چوریاں' جلاؤ گھیراؤ جیسے اخلاقِ رذیلہ کو حرکت ملتی ہے۔ پہلے گرانی وقحط کی راہ ہموار کی جاتی ہے پھر خونی انقلاب کے ذریعہ سوشلسٹ نظام مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اس فلسفۂ حیات میں دینداری نام کی کوئی شے موجود نہیں۔ کیونکہ یہ مادی نظام

خدا کے تصور سے سوشلزم یک سر کار عادی ہی نہیں بلکہ اس میں خدا کے ماننے والوں کا تمسخر بھی اڑایا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں سوشلزم نظام کے علمبردار، برسرِ اقتدار طبقہ اگر معاشرہ کو اچھے اخلاق سکھانے اور برائیوں سے پاک کرنے کے متمنی ہیں۔ تو ان کا یہ خیال خام ہے۔

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت   دماغ پیچیدہ پخت و خیال باطل بست

پھر یہ لوگ اپنے قول و فعل میں بھی مخلص نہیں ہیں۔ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں محمود عباس بخاری نے جو پیپلز پارٹی کے ہی منتخب شدہ قومی اسمبلی کے رکن تھے۔ ۱۵ جون ۷۴ء کو قومی اسمبلی میں بجٹ پر بحث کے دوران جو تقریر کی تھی وہ بحوالہ نوائے وقت درج ذیل ہے:

ڈاکٹر بخاری، شیخ رشید اور ڈاکٹر مبشر حسن پر خوب برسے اور کہا کہ لمبی لمبی کاریں استعمال کرنے والے اور بڑے بڑے بنگلوں میں رہنے والے کس طرح سوشلسٹ بن سکتے ہیں ان کو تو کھدر کے کپڑے پہننے چاہیں۔ اگر آج وہ لاکھوں کی جائید اد سے الگ ہو جائیں تو میں بھی اپنی چھوٹی موٹی جائیداد چھوڑ دوں گا۔ ڈاکٹر بخاری نے اپنے حلقہ قصور اور چونیاں کا ذکر کیا کہ ساڑھے چار ہزار مربع میل کے اس حلقہ میں عوامی مطالبات کے پورا کرنے والی حکومت نے اب تک کتنے سکول، ہسپتال اور کارخانے قائم کیے ہیں۔ کیا ان لوگوں کا حق نہیں تھا؟ انہوں نے کہا کہ بے شک مجھے گولی ماردی جائے مگر میں سچ بات کہوں گا۔ کارخانوں کا سارا زور گوجرانوالہ اور شیخوپورہ روڈ پر کیوں ہے؟ ڈاکٹر بخاری پولیس کے انتظام پر سخت معترض تھے۔ وہ زوردار لہجے میں کہنے لگے کہ ہماری بہنوں نے جس پیپلز پارٹی

کے پرچم کے لیے اپنے سروں کے دوپٹے دیئے تھے' آج پیپلز پارٹی کی حکومت میں ان کی عزت تک نہیں رہی ۔قتل کے مقدمات کا فیصلہ تھانوں میں ہوتا ہے ایک ایک تھانہ کی آمدنی بیس پچیس ہزار روپے ماہانہ ہے۔

(نوائے وقت ۱۶ جون ۷۴ء صفحہ آخر کالم ۶)

یہ حکومتی پارٹی کے اپنے رکن کی شہادت ہے ۔اسے ایک بار پھر پڑھیے کہ ان جملوں میں کن بڑی بڑی خرابیوں کی نشان دہی کی گئی ہے ۔اب اگر کوئی بعد کا مورخ اس دور کی تاریخ لکھنے بیٹھے گا تو اس دور کے مظالم کا پلڑا یقیناً بھاری اترے گا اور یہ وہ دور ہے جب کہ پوری تندہی سے سوشلزم کے لیے راہ ہموار کی جا رہی تھی۔

ہمارے یہ سوشلسٹ حضرات جذبات کی رو میں بعض دفعہ یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ انبیاء علیھم السلام سوشلسٹ تھے (نعوذ باللہ) بلاشبہ حضور اکرم ﷺ نے نبوت سے پہلے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا تمام سرمایۂ تجارت غریبوں کی دستگیری' مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی اور بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنے پر صرف کر دیا تھا۔آپ ﷺ ایک دیانت دار اور کامیاب تاجر تھے ۔سرمایہ کافی تھا۔مگر یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر کے ''الفقر فخری'' کو ترجیح دی۔لیکن ساتھ ہی ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی زبانی یہ شہادت بھی ملتی ہے کہ آپ کے ہاں ایک ایک ماہ تک آگ نہ جلتی تھی اور فقط دو کالی چیزوں (مٹکے کا پانی اور ادنیٰ قسم کی کھجور) پر گزر اوقات کر لیا کرتے تھے ۔وہاں انہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی زبانی ایک دوسری شہادت ملتی ہے کہ حضور ﷺ ایک رات سخت بے قرار تھے۔ بار بار بیقراری اور بے چینی کی حالت میں بستر استراحت سے اٹھ کر بیٹھ جاتے ۔

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بے قراری کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ میرے پاس سونے کا ایک ٹکڑا آیا تھا۔ میں ابھی تک اسے صدقہ نہیں کر سکا اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کام سے فراغت سے پہلے مجھے موت نہ آ جائے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ان بحث کرنے والوں کا بھی یہی کردار ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے نظریات' ثقافت اور بود و باش ایسی ہی تھی جو ان سوشلسٹوں کی ہے؟ کیا انہوں نے خدا ہی کو اپنا آئین ساز نہ مانا تھا۔ انہیں ہر وقت فکرِ آخرت ہی دامن گیر نہ رہتی تھی اور کیا انہوں نے کبھی خونیں انقلاب اور اس کے تدریجی منازل طے کرنے کی تدابیر سوچی تھیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ اسلام بھی معاشی تفاوت کو کم کرتا ہے اور سوشلزم بھی' لیکن ان دونوں کے طریق کار میں جو زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسے کس پلڑے میں ڈالا جائے گا؟ ایک انتہائی غلاظت' دوسرا انتہائی پاکیزگی۔ ﴿هَلْ يَسْتَوِى الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ﴾...... ؟

لہذا ایسے واضح تضاد کی موجودگی میں اسلام میں سوشلزم کی پیوندکاری کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام اگر مکمل ضابطۂ حیات ہے تو اسے پورے کا پورا تسلیم کرنا ہوگا۔ ورنہ اسلام کا نام لینا چھوڑ دیجیے کیونکہ اس منافقت کی بھی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

سوشلزم دراصل سرمایہ داری اور آمریت کی انتہائی اور بدترین شکل ہے۔ اگر پاکستان میں اُس وقت بائیس یا اس سے کم وبیش خاندان سرمایہ دار تھے تو کسی سوشلسٹ ملک میں خود حکومت (سرکاری پارٹی) ہی سب سے بڑی سرمایہ دار ہوتی

ہے۔سرمایہ دارانہ نظام میں اگر کارخانہ دار اور جاگیردار اپنے چند ملازمین کی محنت سے خودسر دردی کر کے فائدہ اٹھالے تو وہ استحصال کا مجرم ہے۔مگر کسی سوشلسٹ ملک میں سرکاری پارٹی بلاشرکت غیرے یہی کام انجام دیتی ہے اور تمام ملک کی استحصالی دولت کھنچ کر اس کے پاس چلی آتی ہے۔اب اسے اختیار ہے کہ اسے انسانیت کی فلاح پر خرچ کرے یا ہلاکت پر اور دوسرے ممالک میں سازشوں کے جال بچھانے پر۔پھر اس سرکاری پارٹی کا سربراہ بدترین قسم کا آمر ہوتا ہے جو اپنی ناک پر مکھی بیٹھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔وہاں نہ جلسے جلوس کی گنجائش ہے نہ احتجاج کی۔ہڑتال' مظاہرے یا تحریری تنقید سب کچھ ممنوع ہے۔ایسے سب لوگ بغاوت کے مجرم ہیں اور ان کی سزا موت ہے۔ایسے ممالک میں جاسوسی کا نظام اتنا متحرک ہوتا ہے کہ کسی پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے سوشلسٹ حضرات چین کی مساوات کی مثال بڑے فخر سے پیش کرتے ہیں۔کہتے ہیں کہ سوشلزم کی فیوض و برکات کے سبب چین نے کتنے قلیل عرصے میں کتنی شاندار ترقی کی ہے۔مگر یہ مثال دیتے وقت وہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ چینی لوگ اپنے قول و فعل میں کم از کم مخلص تو ہیں۔ان کے سربراہ ماؤزے تنگ اور پارٹی کے دوسرے ارکان نے خود تمام تعیّشات کو خیر باد کہہ کر سادگی اختیار کی۔پھر عوام ان کے پیچھے چلنے لگے۔انہوں نے محنت کے ساتھ سائنسی علوم وفنون حاصل کیے۔قومی خزانہ پر بار بننے کی بجائے قوم کی مشترکہ کوششوں نے مملکت کو مضبوط بنادیا اور وہ ترقی کی منازل طے کرتے گئے۔وہ منافق نہیں تھے۔خلوصِ نیت سے دنیا کے پیچھے پڑے اور وہ ان کو مل گئی۔حسب ارشاد باری تعالیٰ:

﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَافِي الدُّنْيَا وَمَالَه، فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾(البقرة: ٢٠٠)

لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے' ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔''

قصہ مختصر' اسلام کے زرّیں اصولوں پر کوئی بھی' خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم' فرد ہو یا قوم' عمل پیرا ہوگا۔ اس کا بدلہ اسے ضرور ملے گا۔ وہ اصول اگر دنیوی زندگی سے تعلق رکھتا ہے تو دنیا ملے گی (جتنی خدا چاہے) اور اگر دنیا و آخرت دونوں سے تعلق رکھتا ہے تو دونوں جگہ بدلہ ملے گا۔ اسلام میں اکیلے آخرت ہی کا تصور نہیں بلکہ اس کے ثمرات دونوں جہانوں میں اپنے پیروؤں کو فیض یاب کرتے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کے دوسرے حصے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَاعَذَابَ النَّارِ﴾

''کہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

اسلامی احکام کے تحت اگر ہم دنیا بھی کمائیں تو یہ بھی خالصتا دین ہی ہوگا۔ گویا اسلام میں دین کے ساتھ دنیا اور دنیا کے ساتھ دین کا تصور بھی موجود ہے۔ جبکہ سوشلزم میں آخرت نام کی کوئی چیز نہیں' تو پھر کیا ''اسلامی سوشلزم'' کا جوڑ مضحکہ خیز نہیں؟

TRUEMASLAK @ INBOX.COM